سنت مارگ

داس

چرن سنگھ

راد ھا سوامی ست سنگ (بیاس)
ضلع امرتسر (پنجاب)

سنت مارگ

داس

چرن سنگھ

رادھا سوامی ست سنگ بیاس، پنجاب (انڈیا)

جملہ حقوق محفوظ ہیں

پبلشر

کے۔ ایل۔ کھنہ

سیکریٹری،

رادھا سوامی ست سنگ بیاس

اول بار	۲۰۰۰	۱۹۶۷ء
دوئم بار	۲۰۰۰	۱۹۶۸ء
تیسری بار	۵۰۰۰	۱۹۶۸ء
چوتھی بار	۳۰۰۰	۱۹۷۶ء
پانچویں بار	۵۰۰۰	۱۹۷۹ء

Printed at DHRUVCO, New Delhi-110015

پیش لفظ

سنت مارگ دراصل شری حضور مہاراج چرن سنگھ جی کی کتاب موسومہ "سنتوں کی بانی" کا ابتدائی باب ہے۔ اس میں سنت مت کی تعلیم کا نچوڑ عام فہم لفظوں میں دیا گیا ہے۔ یہ کتاب روزانہ مطالعہ کے لئے بہت مفید ہے۔ اُمید ہے کہ شائقین اس کو پسند فرمائیں گے۔

تاراچند اگروال

چیئرمین
ایگزیکٹو کمیٹی
رادھا سوامی ست سنگ بیاس

13284

سنت مارگ

فریدا شکر کھنڈ نوات گڑ ماکھیوں ماجھا دُدھ
سبھے وستو مٹھیاں رب نہ پُجن تُدھ

شلوک بابا فرید

مہاتما کسی قوم کسی مذہب کسی مُلک کسی وقت کے اندر کیوں نہ آتے ہوں ہر ایک مہاتما کا ایک ہی سندیش ہے اور ایک ہی تجربہ ہے۔ کوئی بھی مہاتما دُنیا میں قوم و مذہب بنانے کو نہیں آتا۔ نہ ہی وہ ہم کو ایک دُوسرے سے لڑنا جھگڑنا سکھانے آتے ہیں۔ بلکہ وُہ تو ہمارے اندر اُس مالک کی بھگتی کا شوق و پیار پیدا کرنے کے واسطے اور اِس دیہہ کے بندھنوں سے آزاد کر کے مالک سے ملانے کو ہی آتے ہیں۔ لیکن ہم دُنیا کے جیو ایسے مالک کے بھگتوں اور پیاروں کے جانے کے بعد باہر مُکھی ہو جاتے ہیں۔ کرم کانڈ میں اُلجھ بیٹھتے ہیں۔ اور اُن مہاتماؤں کے اصلی تجربوں اور اُپدیش کو بالکل بھُول جاتے ہیں۔ اُن کی اصلی تعلیم اور رُوحانیت کو قوموں اور مُلکوں کے چھوٹے چھوٹے دائروں میں بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ایک دُوسرے سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ جن مہاتماؤں کی تعلیم کُل عالم کے واسطے ہوتی ہے جس وقت ہم اُن کے اُپدیش کو چھوٹے چھوٹے دائروں میں بند کر کے قوموں اور مذہبوں کی شکل دینے کی کوشش کرتے ہیں، تو اِس سے زیادہ ہم اُن بھگتوں سے اور کیا بے اِنصافی کر سکتے ہیں۔ اگر ہم نِشپکش ہو کر کسی بھی مہاتما کے تجربے کی تحقیقات کرنے کی کوشش کریں تو یہی سمجھ آتی ہے کہ ہر مہاتما کا ایک ہی اُپدیش ہے۔

سب سے پہلے مہاتما سمجھاتے ہیں۔ کہ جو کچھ بھی دُنیا کی رچنا نظر آ رہی ہے، دُنیا کو ہم چلتی پھرتی دیکھتے ہیں یہ سب اپنے آپ ہی پیدا نہیں ہوئی۔ اِس کی رچنا کرنے والا کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔ وُہ کون ہے؟ وُہ ایک پرماتما ہے۔ جس مالک کے ہم نے ہزاروں اور لاکھوں ہی نام اپنے پریم پیار میں آ کر رکھے ہوتے ہیں۔ یہ جو کچھ بھی آنکھوں سے نظر آ رہا ہے، اِس سب کی رچنا اُس ایک پرماتما نے کی ہے۔ اور ہماری آتما اُس پرماتما کی ایک انش ہے۔ ہم اُس ایک ست نام کے سمندر کے قطرے ہیں۔ اُس ایک ہی سُورج کی کرنیں ہیں۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں۔

کہو کبیر ایہہ رام کی انس
جس کا غذ پر مٹے نہ منس

تُلسی صاحب مہاراج فرماتے ہیں۔

چوتھے محل پُرکھ اک سوامی ــــ جیو انس وُہ انتر یامی

گوسائیں تلسی داس جی رامائن میں فرماتے ہیں۔

ایشور انش جیو اوناشی
چیتن امل سہج سکھ راسی

یہ جو آتما ہے، اُس ایک رام یا پرماتما کی انش ہے۔ گورو نانک صاحب بھی یہی اُپدیش کرتے ہیں۔

آتم میں رام رام میں آتم
چینہس گور بیچارا

کہ آتما کے اندر وہ پرماتما ہے اور پرماتما کے اندر وہ آتما ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے۔ ایک بڑ کا درخت کتنا بڑا ہوتا ہے۔ لیکن اُس کا بیج کتنا چھوٹا سا ہوتا ہے۔ اگر کوئی ہمیں سمجھائے کہ اِس چھوٹے سے بڑ کے بیج کے اندر اِتنا بڑا بڑ کا درخت ہے تو آسانی سے ہماری سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ لیکن جس وقت اُسی بیج کو ہم زمین کے اندر بوتے ہیں، وہ چھوٹا سا پودا بن کر پرورش پا کر کتنا بڑا بڑ کا درخت ہو جاتا ہے۔ پھر ہم کو پتہ لگتا ہے کہ اُس چھوٹے سے بیج میں اِتنا بڑا بڑ کا درخت ہے اور اُسی درخت کے اندر بڑ کا چھوٹا سا بیج ہے۔ اِس طرح گورو نانک صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جس وقت گورمکھوں کے اُپدیش پر چل کر ہم اپنے اندر ریسرچ کریں گے، پھر ہم کو پتہ لگ جائے گا کہ پرماتما کے اندر ہماری آتما ہے اور جس پرماتما کی ہم کو کھوج ہے، وہ ہماری آتما کے اندر ہے۔ اِس واسطے ہماری آتما اُس پرماتما کی انش ہے۔

کرم فلاسفی:- ہم اُس مالک سے بچھڑ کر اس مایا کے جال میں اُلجھے ہوئے بیٹھے ہیں۔ اور اس جگہ آ کر ہماری آتما نے من کا ساتھ لے لیا ہے۔ ہمارا من اِندریوں کے بھوگوں، خوشگواروں، شرابوں، کبابوں، دُنیا کے دھندوں کا عاشق ہے۔ اور جو جو من کرم کرتا ہے، اُس کا نتیجہ ساتھ ساتھ آتما کو بھی بھگتنا پڑتا ہے، چونکہ رُوح اور من کی گانٹھ بندھی ہوئی ہے۔ اِس دُنیا کو رشیوں منیوں نے کرم بھومی کہا ہے۔ محمد صاحب نے اِسے آخرت کی کھیتی کہکر یاد فرمایا ہے۔ اُن کا قول ہے۔ "الدُنیا مزرعۃ الآخرت"، گوسائیں تلسی داس جی رامائن میں کہتے ہیں۔

کرم پردھان وشو رچ راکھا
جو جس کین تاس پھل چاکھا

گورو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

ددے دوش نہ دیؤ کسے۔ دوش کرماں آپنیاں
جو میں کیا سو میں پایا۔ دوس نہ دیجے اور جناں

گورو ارجن دیو جی اِس کو "کرماں سندڑا کھیت" کہہ کر بیان کرتے ہیں۔ اِس دُنیا میں آ کر ہم جو جو کرم کرتے ہیں، اچھے ہیں یا بُرے ہیں، اِن سب کا ہی نتیجہ ہمیشہ یہاں آ کر ہمیں بھگتنا پڑتا ہے اِسی طرح حضرت عیسیٰ نے

سمجھایا ہے۔

"مُنشیہ جو کچھ بوتا ہے، وہی کاٹے گا" (گلیتوں ۶:۷)

کھیت کے اندر اگر ہم مرچیں بوتے ہیں، تو مرچوں کی ہی فصل اِکٹھی کرنے کو جاویں گے۔ اگر کوئی آم کا پودا لگاتا ہے، وہ آم کے ہی پھل کھانے کا حقدار ہوتا ہے۔ کرم خواہ نیک ہوں یا بُرے ہوں، ہر ایک کا نتیجہ بھگتنے کے لئے شریر کے بندھن میں آنا پڑتا ہے۔ اگر نیک کرم کرتے ہیں تو سیٹھ ساہوکار بن کے آجائیں گے، 'سی کلاس' کے قیدی ہونے کی بجائے 'اے کلاس' حاصل کریں گے، جھونپڑی سے بستر اُٹھا کر محل میں جا بچھائیں گے، لوہے کی زنجیریں اُتر جائیں گی اور سونے کے بندھن چڑھ جائیں گے۔ زیادہ سے زیادہ ہم سورگ یا بیکنٹھ تک چلے جاتے ہیں۔ وہ بھی بھوگ جونیاں ہیں۔ اُس کے بعد پھر ہم کو اِسی چوراسی کے جیل خانے میں آنا پڑتا ہے۔ اور اگر بُرے کرم کرتے ہیں، پھر تو نرک اور چوراسی ہمیشہ تیار ہی رہتے ہیں۔ سوامی جی سمجھاتے ہیں۔

"کرم جو جو کریں گا تو ـ وہی پھر بھوگنا بھرنا"

سہجو بائی جی کہتی ہیں۔

پشو پنچھی، نر، سُر، اسُر، جلچر، کیٹ، پتنگ
سب ہی اُتپتی کرم کی، سہجو نانا رنگ

کیا راجہ کیا پرجا، کیا امیر کیا غریب، کیا عورت کیا آدمی، ہم سب دُنیا کے جیو اِس کرموں کے جال میں پھنسے بیٹھے ہیں۔ اور اِن کرموں کے کارن جس جامے میں بھی جا کر جنم لینا پڑتا ہے وہاں دُکھ ہی دُکھ، مُصیبتیں ہی مُصیبتیں اُس جامے میں بیٹھ کر سہنی پڑتی ہیں۔ اُس مالک سے بچھڑ کر کسی بھی جامے میں ہم کبھی سُکھ و شانتی حاصل نہیں کر سکتے۔ کسی بھی جامے کو لے کر تم پرکھ کر کے دیکھو کہ کس جامے میں جا کر سُکھ مل سکتا ہے۔ ہر روز اِنسان کی خوراک کے واسطے ہزار ہا قسم کے جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔ کس طرح اُن کے گلوں پر چھُریاں چل رہی ہیں۔ کیا ہم ایسے مُرغی، بھیڑ، یا بکری کے جامے میں جا کر سُکھ حاصل کر سکتے ہیں؟ ہم کبھی یہ خیال ہی نہیں کرتے کہ اگر ہم کو اپنے کرموں کے کارن اُن جاموں میں جانا پڑ جائے اور ہماری گردن اُن کے نیچے ہو اور اُن کے ہاتھ میں چھُریاں اور کلہاڑیاں ہوں تو ہم کیا محسوس کریں گے۔ کئی دفعہ جس وقت ڈاکٹر ٹیکہ لگانے کی خاطر ایک پتلی سی سُوئی گرم کرتا ہے تو کئی لوگوں کا ڈر سے شریر کانپنا شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ وہ ہمارے فائدے کے واسطے ہی ہوتا ہے اُونٹ کے جامے کی حالت دیکھو۔ کس طرح اُس پر بوجھ لدا ہُوا ہے۔ اور کس طرح آگے سے کھینچا جا رہا ہے۔ تانگے کے گھوڑے کی حالت ہم عام دیکھتے ہیں کہ کتنی سواریاں اُس پر سوار ہیں اور کس طرح اُس کو چابک دھڑا دھڑ پڑ رہے ہیں۔ بیل کے جامے کے متعلق سوچ لو۔ اُس کو سارا دن زمیندار ہل میں جوتتا ہے۔ اگر وہ تھک کر گر بھی جاتا ہے تو پھر بھی

لوہے کی آر مار مار کر اُسی طرح ہل میں چلائے رکھتے ہیں۔ غرضیکہ کسی بھی جامے کو لے کر پرکھ کرو۔ ہر جامے میں دُکھ ہی دُکھ، مصیبتیں ہی مصیبتیں نظر آتی ہیں۔ نچلے جاموں کی حالت کیا سوچنی ہے، اِنسان کے جامے کے متعلق اچھی طرح سوچ کر دیکھ لو۔ کتنے دُکھ اور مصیبتیں ہر روز اُٹھانی پڑتی ہیں، حالانکہ اِس جامے کو ہم سرشٹی کا سرمَور بھی کہتے ہیں، رِشی مُنی اِس کو نر نارائنی دیہہ کہہ کر سمجھاتے ہیں، مسلمان فقیر اِس کو اشرفُ المخلوقات کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ اور انسان اپنے آپ کو دیوی دیوتاؤں سے بھی اُوپر سمجھتا ہے، لیکن پھر بھی اِس جامے میں بیٹھ کر کوئی بھی سُکھ و شانتی حاصل نہیں کر سکتا۔ کوئی بیماری کے ہاتھوں اتی دُکھی ہو جاتا ہے، کوئی بے روزگاری سے تنگ آجاتا ہے۔ کسی کے اولاد پیدا نہیں ہوتی وہ دن رات تڑپتا ہے۔ کتنوں کو بال بچوں نے دُکھی کر رکھا ہے۔ کسی نے قرضہ دینا ہے، وہ چنتا اور فکر میں ساری رات سو نہیں سکتا۔ کسی نے قرضہ وصول کرنا ہے، وہ سارا دن کچہری میں خراب ہو رہا ہے۔ کنگالوں کی حالت گرمی اور سردی کے موسم میں ہم ہر روز سڑکوں پر دیکھتے ہیں کہ کس طرح پیٹ کی خاطر چلا رہے ہیں۔ اور اسی طرح بیماروں کی چیخیں ہسپتال میں جا کر سُنتے ہیں کہ کس طرح وہ بیچارے دُکھی ہو رہے ہیں۔ اِسی طرح اگر جیل خانوں میں ملزموں کے حالات سُننے کا موقع ملے تو بڑی دردناک کہانیاں سُننی پڑتی ہیں۔ غرضیکہ دُنیا میں نظر مار کر دیکھیں تو ہر طرف دُکھ ہی دُکھ، مصیبتیں ہی مصیبتیں نظر آرہی ہیں۔ کسی وقت ریڈیو چلا کر دیکھ لو، اخبار پڑھنے کا موقع ملے تو اس دُنیا میں کسی نہ کسی قوم یا مذہب یا ملک کے لڑائی جھگڑے چلتے ہی رہتے ہیں۔ کتنے غریبوں کا خُون ہوتا ہے۔ کس طرح عورتیں بیوہ ہو رہی ہیں اور بچے یتیم بن رہے ہیں۔ جس دُنیا میں یہ حالت ہے کہ روٹی کپڑے کی خاطر دن رات بھٹکتے اور تڑپتے پھرتے ہیں اور موت کا ڈر ہمیشہ لگا رہتا ہے کہ نہ جانے کس وقت اور کس کے ہاتھوں ہمیں موت آجاوے، اس نگری کے اندر ہم سُکھ اور شانتی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ حالت دیکھ کر گورو نانک صاحب پکار اُٹھے:

نانک دُکھیا سب سنسار

سہجو بائی کہتی ہے۔

" دھن ونتے دُکھیا سبھی نردھن دُکھ کا رُوپ

تُلسی داس جی رامائن میں کہتے ہیں۔

" سکل جیو جگ دین دُکھاری"

اگر اِنسان کے جامے میں آ کر ہم اِس دُنیا میں سُکھ و شانتی حاصل نہیں کر سکے تو پھر اور کس جامے میں سُکھ و شانتی حاصل کر سکیں گے۔ مہاتما اُپدیش کرتے ہیں۔ کہ اِس دُنیا کے اندر کبھی بھی کسی کو ہمیشہ کے واسطے سُکھ اور شانتی نہیں مل سکتی۔ کیونکہ یہ جو دُنیا ہے، دُکھ اور سُکھ کا گھر ہے، پُن اور پاپ کی نگری ہے۔ ہم اپنے پُن اور پاپ کے کارن اِس دُنیا میں آکر دُکھ اور سُکھ بھگت رہے ہیں۔ اچھی طرح دُنیا میں

کھوج کر کے دیکھ لو۔ کوئی شخص ایسا نہیں ملے گا، جس کو اس شریر میں بیٹھ کر سُکھ ہی سُکھ ملتے ہوں، کبھی بھی دُکھوں کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو۔ یا کسی کو دُکھ ہی دُکھ پراپت ہوتے ہوں اور کبھی بھی سُکھ کا سانس نہ آیا ہو۔ تجربے میں آتا ہے کہ اگر دس دن سُکھ کے مل جاتے ہیں، تو پھر دُکھوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور اگر دس دن دُکھ کے بھگت لیتے ہیں تو پھر تھوڑا بہت سُکھ کا سانس آجاتا ہے۔ یہ جتنے بھی ہمیں دُکھ بھگتنے پڑتے ہیں یہ ہمارے پچھلے جنموں کے کئے ہوئے پاپ ہیں، جن کا نتیجہ اب بھگت رہے ہیں، جو بھی سُکھ کے سانس آرہے ہیں وہ ہمارے پچھلے جنموں کے پُنوں کے کارن ہیں۔ سو پُن اور پاپوں کے جوڑ کے کارن ہی ہمیں اِنسان کا جامہ ملتا ہے، جس کے اندر بیٹھ کر ہم اُن پاپوں اور پُنوں کا حساب دے رہے ہیں۔ اگر صرف ہمارے پُن ہوتے تو ہم سورگوں کے اندر پہنچ جاتے۔ اور اگر صرف پاپ ہوتے، تو ہم نرکوں میں سزا بھگتتے ہوتے۔ کسی کے زیادہ پُن ہیں تو وہ زیادہ سُکھی نظر آتا ہے۔ تھوڑے پاپ ہیں تو وہ کم دُکھی نظر آتا ہے۔ کسی کا پاپوں کا بوجھ زیادہ ہو جاتا ہے، اور پُنوں کا کم ہے۔ تو وہ زیادہ دُکھی ہے اور کم سُکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس دُنیا کے اندر امیری و غریبی ہے، بیماری و تندرستی ہے اور اتنی اُونچ نیچ نظر آتی ہے۔ کیونکہ ہر ایک جیو کے اپنے اپنے کرم ہیں، جن کا نتیجہ وہ یہاں آکر بھگت رہا ہے۔

یہ دُنیا آج تک نہ کبھی سورگ کی نگری بنی ہے، اور نہ کبھی بن سکتی ہے۔ جس وقت ہم ہسٹری پڑھتے ہیں تو پتہ لگتا ہے کہ دُنیا میں لڑائی جھگڑے، سُکھ دُکھ، امیری غریبی ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔ اِس دُنیا میں باوجود بڑی چوٹی کے مہاتماؤں کے آنے کے یا بڑے بڑے سوشل ریفارمر پیدا ہونے کے اِس کی حالت پہلے سے زیادہ بہتر نہیں ہو گئی، اور نہ ہی کبھی ہو سکتی ہے کیونکہ سنتوں مہاتماؤں کا مشن اِس دُنیا کو سورگ یا سُکھ کی نگری بنانے کا نہیں ہے بلکہ وہ تو ہم کو ایسا طریقہ اور سادھن بتلاتے ہیں کہ جس راستے پر چل کر ہم ہمیشہ کے واسطے اِس دیہہ کے بندھنوں سے آزاد ہو جائیں اور پھر دُنیا میں ہی نہ آئیں۔ دُنیا کے کانٹے اکٹھے کرنے میں آج تک کسی نے کامیابی حاصل نہیں کی۔ اور نہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر ہم اپنے پاؤں میں مضبوط جوتے پہن لیں گے تو وہ کانٹے اپنا اثر نہیں کر سکتے۔ دُنیا کی سمسیائیں نہ آج تک کسی نے حل کی ہیں نہ کوئی اُن کو ہمیشہ کے واسطے حل کر سکتا ہے۔ لیکن مہاتماؤں کے اُپدیش پر چل کر ہم اپنا خیال اِتنا اُونچا لے جا سکتے ہیں کہ دُنیا کے دُکھ سُکھ کی سمسیائیں ہمارے اُوپر اثر ہی نہیں کرتیں۔ کرائسٹ نے بائیبل میں ذِکر کیا ہے۔

" مَیں تو آیا ہوں کہ بیٹے کو اُس کے پتا سے، اور بیٹی کو اُس کی ماں سے، اور بہو کو اُس کی ساس سے الگ کر دوں:" (متی ۱۰: ۳۴ و ۳۵)

یعنی مَیں اِس دُنیا کو سُکھ اور شانتی کی نگری بنانے نہیں آیا بلکہ جیووں کو یہاں سے آزاد کرنے آیا ہوں۔ ماں باپ، بیٹے بیٹیوں، وغیرہ کے آپس کے موہ کے بندھن کاٹنے آیا ہوں۔ ایک دوسرے

کے لگاؤ د موہ پیار کی زنجیروں کو کاٹ کر اُن کو آزاد کرنے آیا ہوں۔

بے شک دُنیا میں پر اُپکاریوں اور سوشل ریفارمروں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اِس دُنیا نے بہت نیک پُرش اَور بہت رحم دِل لوگ پیدا کئے ہیں۔ لیکن سنتوں، مہاتماؤں کا جو اس دُنیا پر پر اُپکار ہے، وُہ پر اُپکار کسی اَور کا نہیں ہو سکتا۔ ایک چھوٹی سی مِثال کے ذریعہ سمجھایا جا سکتا ہے کہ ایک جیل خانے کے اندر بہت سے قیدی ہیں۔ ایک پر اُپکاری دیکھتا ہے کہ گرمی کا موسم ہے اَور اُن قیدیوں کو ٹھنڈا پانی پینے کو نہیں مِلتا۔ وُہ اُن پر ترس کھا کر برف ڈالکر شربت وغیرہ پِلانے شروع کر دیتا ہے۔ گویا اُس نے اُن قیدیوں پر بہت اچھا پر اُپکار کیا۔ دُوسرا پر اُپکاری محسوس کرتا ہے کہ قیدیوں کو اچھا کھانا کھانے کے لئے نہیں مِلتا۔ وُہ اُن پر ترس کھا کر اُنکو اچھے اچھے لذیذ کھانے اور مٹھائیاں وغیرہ بنوا کر کھِلانا شروع کر دیتا ہے۔ جس سے قیدی اور خُوش ہو جاتے ہیں۔ اُس نے بھی قیدیوں پر اچھا پر اُپکار کیا۔ تیسرا پر اُپکاری دیکھتا ہے کہ سخت سردی کا مَوسم ہے۔ اُن قیدیوں کے پاس سردی سے بچنے کے لئے کوئی خاص کپڑا نہیں ہے۔ اُس نے بہُت سا رُوپیہ خرچ کر کے اُن کو سردی سے بچنے کے لئے گرم کپڑے بنوا دیئے۔ اِس پر اُپکاری نے شاید پہلے پر اُپکاریوں سے زیادہ اچھا پر اُپکار کیا۔ پر اُپکاری سارے ہی قیدیوں پر ترس کھا کر پر اُپکار کر رہے ہیں۔ جس سے قیدیوں کی حالت پہلے سے زیادہ بہتر ہو رہی ہے۔ 'سی کلاس' سے 'اے کلاس' کے قیدی تو بن گئے اَور اُن کو جیل خانے میں زیادہ آسائش و آرام بھی مُہیا ہو گئے۔ لیکن باوجُود اُن پر اُپکاریوں کے وہ سارے کے سارے جیل خانے میں ہی قید رہے۔ جو تھا پر اُپکاری جس کے پاس جیل خانے کی چابی تھی، اُس نے قیدیوں پر ترس کھا کر جیل خانے کا دروازہ ہی کھول دیا اور اُن کو ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیا۔ اگر سب سے اُونچا پر اُپکار ہے تو اُس جیلخانے کی چابی والے کا ہے۔

سنت مہاتما اِس چوراسی کے جیل خانے کی چابی لے کر اس دُنیا میں آتے ہیں۔ اور ہمارے اندر مالک کے مِلنے کا شوق و پیار پیدا کر کے ہمیں راستہ و طریقہ بتلا کر دھُر دھام پہُنچا کر ہمیشہ کے واسطے اِس جیل خانے سے آزاد کر دیتے ہیں۔ اِس واسطے سنتوں اور مہاتماؤں کا پر اُپکار کسی بھی سوشل ریفارمر یا پولیٹیکل لیڈر کے پر اُپکار سے اُونچا اَور سچا ہے۔

مہاتما ہمیں اُپدیش کرتے ہیں۔ کہ جتنا عرصہ ہماری آتما واپس جا کر اُس پرماتما سے مِلاپ نہیں کرے گی اُتنا عرصہ ہم شریر کے بندھنوں سے اَور سنسار کے دُکھوں سے چھُٹکارہ نہیں پا سکتے۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں۔

"چل ہنسا ست لوک کو چلئے چھوڑ دیہ سنسار ہو"

سوامی جی کا فرمان ہے۔

"دھام اپنے چلو بھائی۔ پرائے دیش کیوں رہنا"

آتما اور پرماتما۔ ہماری آتما اِستری ہے اور پرماتما اُس کا پتی ہے۔ اَور یہ رُوح رُوپی اِستری پرماتما رُوپی پتی کے چرنوں میں جا کر ہی خوشی پراپت کر سکتی ہے اور سوہاگن ہو سکتی ہے۔

گورُو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"پر پیچے سے سدا سوہاگن"

پھر فرماتے ہیں۔

"جِنی گھر جاتا آپنا سے سُکھیے بھائی"

جو واپس اپنے اصلی گھر پہنچ جاتے ہیں، وُہ ہمیشہ کے واسطے سُکھ و شانتی حاصل کر لیتے ہیں۔ کٹھ اُپنشد میں نچکیتا کو یم راج نے بھی یہی جواب دِیا ہے۔

مولانا رُوم بھی فرماتے ہیں۔

"ایں جہاں زنداں و ما زندانیاں ⁘ حفرہ کُن زنداں و خود را وارہاں"

یعنی یہ جہان قید خانہ ہے؛ جس میں ہم قید ہیں۔ قید خانہ کی چھت میں سُوراخ کر کے یہاں سے نِکل بھاگو۔

بہُت سے مہاتماؤں نے آتما اور پرماتما کے رِشتہ کو اِستری اور پتی کا رِشتہ کہکر سمجھایا ہے۔ کیونکہ اِستری ہمیشہ پتی کے چرنوں میں جا کر سُکھ و شانتی حاصل کر سکتی ہے۔ اگر ایک اِستری اپنے پتی کے چرنوں سے دُور ہو جاتی ہے تو اُس کو جو مرضی ہے دُنیا کی عزت ہم دے دیں۔ کِتنا ہی رُوپیہ پیسہ دے دیں، اُس کے من کو کبھی سُکھ و شانتی نہیں آ سکتی۔ وُہ اپنے پریتم یا پتی کے پیار میں ہی سُکھ و شانتی حاصل کر سکتی ہے۔ چُنانچہ کہا ہے کہ۔

"ہرناہ نہ ملیے ساجنے کت پایئے بسرام
جت گھر ہر کنت نہ پرگٹی بھٹ نگرے گرام
سرب سیگار تنبول رس سن دیہی سب خام"

رادھا سوامی کرشنا مِشن والے پرماتما اَور آتما کے رِشتہ کو ماں اَور بیٹے کے رِشتے سے یاد کرتے ہیں۔ جتنا عرصہ بچہ اپنے آپ کو ماتا کے حوالے رکھتا ہے، اُس کو کوئی بھی فِکر نہیں رہتا۔ اِس سے اَور زیادہ کوئی خُوشی اُس کو محسُوس نہیں ہو سکتی۔ عیسےٰ مسیح نے اِس رِشتہ کو باپ اَور بیٹے کے رِشتہ سے یاد کیا ہے۔ کیونکہ جتنا عرصہ لڑکے کے سر پر باپ کا سایہ ہے، اُس کو کوئی غم یا فِکر نہیں ہو سکتا۔ غرضیکہ آتما پرماتما کو ہی پا کر سُکھ و شانتی حاصل کر سکتی ہے۔

سنسار کی حالت:۔ سہجو بائی جو ایک بہُت بڑی مشہور مہاتما ہوئی ہیں، کہتی ہیں۔

"دھن ونتے دُکھیا سبھی نِردھن دُکھ کا رُوپ ⁘ سادھ سُکھی سہجو کہے پایو بھید انُوپ"

ایسے ہی کبیر صاحب فرماتے ہیں کہ راجہ اور پرجا سب دُکھی ہی دُکھی نظر آتے ہیں۔ آپ کا فرمان ہے۔

تن دھر سُکھیا کوئی نہ دیکھا جو دیکھا سو دُکھیا ہو
جوگی دُکھیا جنگم دُکھیا تپسی کو دُکھ دُونا ہو
آسا ترشنا سب کو ویاپے کوئی محل نہ سُونا ہو
گھاٹے باڑھے سب جگ دُکھیا کیا گرہی بیراگی ہو
سُکھدیو اچارج دُکھ کے ڈر سے گربھ سے مایا تیاگی ہو
ساچ کہوں تو کوئی نہ مانے جھوٹ کہا نہ جائی ہو
برہما وِشنو مہیشر دُکھیا جن یہ راہ چلائی ہو
اودھو دُکھیا بھوپت دُکھیا رنک دُکھی بپریتی ہو
کہیں کبیر سکل جگ دُکھیا سنت سُکھی من جیتی ہو

تُلسی صاحب بھی اپنی بانی میں دُنیا کے دُکھوں کے متعلق اِس طرح کہتے ہیں۔

کوئی تو تن من دُکھی کوئی چِت اُداس
ایک ایک دُکھ سبن کو سُکھی سنت کا داس

گورُو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

نانک دُکھیا سب سنسار
سو سُکھیا جس نام آدھار

یعنی دُنیا کے سب جیو اپنی اپنی جگہ دُکھ و مصیبت سے بھرے ہوئے ہیں۔ اصلی سُکھ و شانتی اُسی کو ہے، جس نے مالک کی بھگتی اور پیار کا آسرا لیا ہوا ہے۔ ہم دُنیا کے جیو اُس پرماتما کو تو بھولے بیٹھے ہیں، اُس کی کھوج نہیں کرتے، اُسکی بھگتی کی طرف ہمارا خیال ہی نہیں ہے۔ اور دُنیا کی شکلوں اور پدارتھوں میں سُکھ و شانتی ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر ایک کا تجربہ یہ ہے کہ جتنا ہم اُس پرماتما کو بھول کر سُکھ و شانتی ڈھونڈ رہے ہیں، اُتنے ہی دن رات زیادہ دُکھی ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ کیونکہ جن شکلوں اور پدارتھوں میں سُکھ ڈھونڈ رہے ہیں، وہ سب چیزیں استھائی اور عارضی ہیں۔ اُن کا سُکھ بھی صرف استھائی اور عارضی ہی ہو سکتا ہے۔ جتنا عرصہ ہم کو وہ چیز نہ ملے جو کبھی بھی ناش اور فنا نہ ہو اُس کو ہم اپنا نہ بنالیں، ہم کیسے سُکھ و شانتی پا سکتے ہیں۔ کیونکہ جس چیز کے آنے میں خوشی ہوتی ہے اُسکے جانے میں ویسا ہی دُکھ ہو جاتا ہے۔ اپنی زندگی کی جب جانچ پڑتال کرکے دیکھتے ہیں کہ شادی کے وقت ہمارے من میں کتنی خوشی ہوتی ہے، لیکن اگر اُسی ساتھی سے جھگڑا یا مت بھید ہو جاتا ہے تو ہم کتنے زیادہ دُکھی ہو جاتے ہیں۔ جس اولاد کے پیدا ہونے پر ہم پارٹیاں کرتے ہیں، خوشیاں مناتے ہیں، اگر

وہی اولاد نافرمانبردار نکل آوے، بیمار ہو جاوے یا پرماتما اُس کو واپس بُلا لیوے تو تُم سوچ لو کہ وہ کتنا دُکھ کا کارن ہمارے لئے بن جاتی ہے۔ پھر ہم دُنیا کی دھن دولت میں سُکھ ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تُم سوچو اس کو کمانے کے لئے کتنے دُکھ و مصیبتیں سہنی پڑتی ہیں۔ اپنے قیمتی اصُولوں کو بھی قُربان کرتے ہیں، صحت کا بھی ستیاناس کر لیتے ہیں اور کئی قسم کی مانسک بیماریاں مول لے لیتے ہیں۔ اُس کو کمانے کے لئے کتنی کتنی مصیبتیں سہنی پڑتی ہیں۔ لیکن باوجود اس کے پھر اُس کو رکھنے میں کونسی شانتی پراپت ہوتی ہے۔ اگر بنکوں میں رکھتے ہیں تو اُن کے فیل ہونے کا خطرہ ہے کبھی اِنکم ٹیکس اور سیلز ٹیکس کا ڈر اور چنتا لگی رہتی ہے، کبھی یاروں دوستوں کے مکرنے کا فکر ہے کہ شاید وہ رُوپیہ کر واپس نہ کریں اور جس وقت وہ جاتی ہے، اچھی طرح دُکھوں اور مصیبتوں میں پھنسا کر ہی جاتی ہے۔ کبھی ڈاکٹر کی فیسوں میں ہو کر نکل جاتی ہے، کبھی مقدموں میں اُلجھا کر چلی جاتی ہے۔ کتنے دُکھ اور مصیبتوں سے کمائی، لیکن پھر بھی سُکھ نہ دیا۔ جو اُس کے جانے پر شریر پر مصیبتیں بھگتنی پڑتی ہیں۔ وہ الگ بھگتنی پڑتی ہیں گورُو نانک صاحب کا واک ہے۔

پاپاں باجھوں ہووے ناہیں ـــــ مویاں ساتھ نہ جائی

پھر خیال آتا ہے۔ کہ شاید دُنیا کی عیش و عشرت میں سُکھ ہوں۔ شرابوں کبابوں کی لذتوں میں اُلجھ جاتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ہمارے من کو تباہ کر دیتی ہیں۔ اور بیماریوں میں پھنسا دیتی ہیں۔ پھر ہم حکومت کے نشے میں سُکھ ڈھونڈتے ہیں یا سیاسی لیڈر بننے کا شوق ہو جاتا ہے۔ جس وقت لوگ ہمیں عزت، مان بڑائی دیتے ہیں، ہمارے جلُوس نکالتے ہیں، اخباروں میں تعریف کرتے ہیں، ہمارا من پھُولا نہیں سماتا۔ لیکن اُن لیڈروں کے حالات بھی روز پڑھتے ہیں راتوں رات تختے پلٹ جاتے ہیں۔ دُوسری پارٹی کا زور پڑ جاتا ہے تو وہ کبھی گولی کا شکار بنا دیتے ہیں، کبھی پھانسی کے تختوں پر چڑھا دیتے ہیں، کبھی جیل خانے میں ڈال دیتے ہیں، کبھی اخباروں میں مٹی پلید کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ جس حکومت کے نشے میں، دُنیا کی مان بڑائی میں سُکھ ڈھونڈنے کی کوشش کی وُہی ہمارے واسطے دُکھ کا کارن بن بیٹھتی ہے۔ گورُو نانک صاحب کا فرمان ہے۔

"سُکھ مانگت دُکھ آگے آوے"

غرضیکہ اِس دُنیا میں ہم کبھی بھی سُکھ و شانتی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ جو بھی تھوڑے بہت سُکھ نظر آرہے ہیں، عرصہ پاکر دُکھوں میں بدل جاتے ہیں۔ سو جہاں تک اپنا تجربہ ہمیں سمجھاتے ہیں۔ کہ جتنا عرصہ ہماری آتما پرماتما سے ملاپ نہیں کرتی، ہم سُکھ و شانتی حاصل نہیں کر سکتے۔ دُنیا کی دھن دولت اور شکلوں میں سے بھی ہم اُتنا ہی عرصہ سُکھ و شانتی حاصل کر سکتے ہیں، جتنا عرصہ ہمارا خیال مالک کی بھگتی کی طرف ہے۔ بمثال کے طور پر ایک بچہ اپنے باپ کی اُنگلی پکڑ کر نمائش میں تماشہ دیکھنے جاتا

ہے۔ اُس کو نمائش میں ہر چیز بڑی ہی خوبصورت اور اچھی معلوم دیتی ہے۔ کہیں بجلیاں جل رہی ہیں، کہیں طرح طرح کے کھیل ہو رہے ہیں، کہیں کھلونوں اور مٹھائیوں کی سجی ہوئی دُکانیں ہیں۔ بچہ یہ سمجھتا ہے کہ اُس کو یہ خُوشی نمائش کے ساز و سامان سے مل رہی ہے۔ لیکن اگر غلطی سے اُس بچے سے اپنے باپ کی اُنگلی چھُوٹ جاتی ہے تو وُہ چیخیں مارنی شروع کر دیتا ہے اور رونے چلانے لگتا ہے۔ حالانکہ وہی تمام ساز و سامان نمائش کا وَہیں کا وَہیں ہوتا ہے۔ پھر وُہ محسُوس کرتا ہے کہ نمائش میں وُہ خُوشی اُتنا عرصہ ہی پا سکتا تھا جتنا عرصہ کہ اُس نے اپنے باپ کی اُنگلی پکڑی ہوئی تھی۔ اِسی طرح دُنیا میں بھی ہم سُکھ اور شانتی اُسی وقت تک حاصل کر سکتے ہیں، جتنا عرصہ ہمارا خیال اور پیار اُس مالک کی طرف رہتا ہے۔ اِس واسطے مہاتما ہم سب کے اندر مالک سے ملنے کا پریم پیار پیدا کرتے ہیں۔ گورُو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"ہر کی پُوجا دُلبھ ہے سنتو کہنا کچھُو نہ جائی"

یعنی مالک کی بھگتی کی مہما کبھی بیان ہی نہیں کی جا سکتی۔ ہم سب دُنیا کے جیو کسی نہ کسی کے موہ و پیار میں پھنسے ہُوئے ہیں۔ کسی نہ کسی کی بھگتی اور پُوجا ضرور کرتے ہیں۔ کوئی بیٹے بیٹیوں سے پیار کرتا ہے کوئی قوموں، مذہبوں اور مُلکوں کی بھگتی کر رہا ہے۔ کوئی دھن دولت کی پُوجا کرتا ہے۔ یہ شکلیں اور پدارتھ ہماری بھگتی اور پیار کے قابل نہیں۔ کیونکہ اِن کا پیار و بھگتی ہر ایک کو بار بار دیہہ کے بندھنوں میں کھینچ کر لے آتا ہے۔ مالک کی بھگتی اور پیار ہی ہمیں واپس لے جا کر اُس پرماتما سے مِلاتا ہے۔ اِس واسطے مہاتما سمجھاتے ہیں کہ اُس مالک کی بھگتی کی مہما کبھی بیان ہی نہیں کی جا سکتی۔ اُس کی بھگتی اور پیار کے ذریعہ واپس جا کر ہم مالک ہی بن جاتے ہیں۔ بھیکھا جی فرماتے ہیں۔

"بھیکھا بھُوکھا کو نہیں سب کی گٹھڑی لعل
گرہ کھول نہیں جانتے تِس بِدھ بھئے کنگال"

پرماتما ایک ہے:- سب مہاتماؤں کا یہی تجربہ ہے، کہ جس مالک کو ہم مِلنا چاہتے ہیں وُہ پرماتما ایک ہے۔ یہ نہیں کہ ہندُوؤں کا کوئی اَور یا سکھوں اور عیسائیوں کا کوئی اور ہے گورُو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

"ایک پِتا ایکس کے ہم بالک"

اور "سبھناں جِیاں کا ایکو داتا"

اور شیخ سعدی کہتے ہیں۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
چو در آفرینش زیک جوہر اند

یعنی سب اِنسان ایک ہی جوہر سے پیدا ہُوئے ہیں۔ اور ایک دُوسرے کے بھائی ہیں۔ جتنے بھی دُنیا

کے جیو ہم دیکھ رہے ہیں، اُن سب کو پیدا کرنے والا ایک ہی پرماتما ہے۔ مسلمان فقیر اُس پرماتما کو ربُّ العالمین کہہ کر یاد کرتے ہیں کہ سارے عالم کا ایک ہی رب ہے اور ہمیشہ سے وہی پرماتما چلا آ رہا ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے کوئی اور پرماتما تھا یا اب کوئی اور پرماتما ہے۔ گورو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"جگ جیون ساچا ایکو داتا"

کہ سارے جگ کو جیون دینے والا ایک ہی داتا ہے۔ اور وُہ ہمیشہ سے ساچا ہے۔ کیا؟ وُہ مرنے اور پیدا ہونے کے چکر میں نہیں پھنستا۔ جپ جی صاحب کے شرُوع ہی میں گورُو نانک صاحب بڑی اچھی طرح سے بیان کرتے ہیں۔

"ایکو ست نام کرتا پرُکھ"

اور "آد سچ، جگاد سچ، ہے بھی سچ، نانک ہوسی بھی سچ"

کہ تجربے کرتے کرتے مجھے اپنے اندر سے ایک ایسی شکتی ملی ہے جو آد جگاد سے سچ ہی چلی آ رہی ہے یعنی جو کبھی ناش یا فنا نہیں ہوتی، وُہ ایک پرماتما ہے، جس کے ہزاروں انیکوں ہی نام مہاتماؤں نے اپنے اپنے پیار میں آ کر رکھے ہوئے ہیں۔ اُس مالک کے علاوہ وُہ جو کچھ بھی ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اِن سب نے ناش اور فنا ہو جانا ہے۔ کوئی چیز بھی یہاں ستھر (ہمیشہ رہنے والی) نہیں ہے۔ گورُو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"ہر بِن سب کچھُ میلا سنتو"

اور "تھِر نارائن، تھِر گورُو، تھِر ساچا وِچار"

اِسی طرح اور جگہ لکھتے ہیں۔

کُوڑ راجہ، کُوڑ پرجا، کُوڑ سب سنسار ۔ کُوڑ منڈپ، کُوڑ ماڑی، کُوڑ بیٹھن ہار
کُوڑ سونا، کُوڑ رُوپا، کُوڑ پہنن ہار ۔ کُوڑ کایا، کُوڑ کپڑ، کُوڑ رُوپ اپار
کُوڑ میاں کُوڑ بی بی کھپ ہوئے خوار ۔ کُوڑ کُوڑے نیہوں لگا وِسریا کرتار
کِس نال کیجئے دوستی سب جگ چلن ہار

کہ یہ جو ہمارا شریر بھی کُوڑ ہے اور اِس کے اندر بیٹھ کر جس دُنیا کو ہم اپنا بنانے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے اپنا پیار ڈالے بیٹھے ہیں، یہ بھی کُوڑ ہے۔ دُنیا میں کوئی بھی چیز ہماری دوستی و محبت کے قابل نہیں، سوائے اُس پرماتما کے۔ کیونکہ اُس کے علاوہ ہر چیز نے فنا و ناش ہو جانا ہے۔ صِرف ایک مالک ہی ہے، جو ہمیشہ ہی رہتا ہے۔

ذات پات:- اُس مالک کی کوئی قوم یا مذہب یا مُلک نہیں ہے۔ نہ ہی اُس مالک کی کوئی ذات پات یا رنگ رُوپ ہے۔ گورُو ارجن دیو جی سمجھاتے

ہیں۔

"ورن جات چہن نہیں کوئی"

"سب تھکے سرسٹ اُدپاپندا"

کہ جس پرماتما نے اپنے حکم کے ذریعہ اس سرشٹی کی رچنا کی ہے اگر اُس کا کوئی رنگ روپ ذات پات نہیں ہے تو ہماری آتما کی جو اُس پرماتما کی انش ہے اُس پرماتما سے ہی نکلی ہے اور اُسی کے اندر ہی جاکر سمانا چاہتی ہے، کیسے کوئی ذات پات ہو سکتی ہے۔ کسی بھی مہاتما کی بانی کو اچھی طرح کھوج کرکے دیکھیں تو ہر ایک مہاتما ہمارے خیال کو ذات پات، قوم مذہب و ملک کے بھیت بھید سے اُونچا اُٹھاکر پرماتما کی بھگتی کا شوق و پریم پیار پیدا کرتا ہے۔ جب سمندر کی کوئی ذات پات نہیں ہے تو اُس کے ایک قطرہ کی کیا ذات پات ہو سکتی ہے۔ اگر سورج کی کوئی قوم یا مذہب نہیں ہے تو ایک معمولی کرن کی کونسی قوم یا مذہب ہو سکتا ہے۔ یہ سب ذات پات کے جھگڑے انسان کے خود پیدا کئے ہوئے ہیں۔ پرماتما نے صرف انسان پیدا کئے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو ذات پات، قوم و مذہب و ملکوں کے چھوٹے چھوٹے دایروں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ اور ایک دُوسرے کے بھیت بھید میں پھنسے ہوئے ہیں۔ گورو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

"جتھے لیکھا منگئے تتھے دیہہ جات نہ جائے"

کہ جس جگہ ہمارے کرموں کا حساب کتاب ہوگا، اُس جگہ نہ تو کسی نے ہماری ذات پات کی بابت پوچھ کرنی ہے نہ ہی ہمارا شریر وہاں پہنچ سکتا ہے۔ کسی کا شریر آگنی کے سپرد ہو جاتا ہے، کسی کا مٹی کے اندر ہی دبا رہ جاتا ہے۔ اِن ذات پات یا قوموں مذہبوں کا تعلق اِس شریر کے ساتھ ہی رہ جاتا ہے۔ کسی کی ذات پات آخر میں جل جاتی ہیں، کسی کی مٹی کے اندر ہی دبی رہ جاتی ہیں۔ اِسی طرح کبیر صاحب اپنی بانی میں اُپدیش کرتے ہیں۔

"جات پات پوچھے نہ کوئے

ہر کو بھجے سو ہر کا ہوئے"

کہ ذات پات کسی نے تمہاری نہیں پوچھنی جو پرماتما کی بھگتی کرتا ہے، وہ پرماتما کا روپ ہو جاتا ہے۔ جس جگہ ہمارے کرموں کا حساب کتاب ہوگا وہاں کسی نے یہ سوال نہیں پوچھنا کہ تم ہندو تھے یا عیسائی، ہندوستان سے آئے ہو یا امریکہ یا افریقہ سے آئے ہو۔ اُس جگہ تو ہماری بھگتی بھاؤ، عشق، پریم بھاؤ کی ہی قدر ہوتی ہے۔ اِسی طرح سائیں بُلھے شاہ جو ذات کے سید تھے اور مسلمانوں میں ایک لادھڑک مہاتما ہوئے ہیں، اپنے کلام میں تحریر کرتے ہیں۔

"عملاں اُتے ہون نبیڑے، کھڑیاں رہن گیاں ذاتاں"

جو اپنے عملوں اور کرموں پر دھیان دیتے ہیں، وُہی پرماتما کو منظور ہیں، جو ذات پات کے زور میں پھنسے ہیں، اُنکی اُس درگاہ میں کوئی قدر نہیں ہے۔ تلسی صاحب بھی اپنی بانی میں یہی سمجھاتے ہیں۔

"نیچ نیچ سب تر گئے سنت چرن لولین

جاتی کے ابھمان سے ڈوبے بہت کلین"

جو اپنے آپ کو نیچا سمجھتا ہے، جس کے اندر نمرتا اور عاجزی ہے، سنتوں کے چرنوں سے پیار رکھتا ہے، اُن کے اُپدیش پر چلتا ہے، وہ اِس بھوساگر سے پار ہو جاتا ہے۔ جن کو ذات پات کا ابھمان ہے وہ اِس بھوساگر میں غوطے کھاتے ہیں۔ قوموں کی قومیں، مذہبوں کے مذہب اِس ذات پات کے ابھمان میں ڈوبے جا رہے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

"بڑے بڑائی پائے کر روم روم اہنکار

ستگورو کے پرچے بنا چاروں ورن چمار"

یعنی بڑے لوگ بڑائی پاکر روم روم میں اہنکار سے بھر جاتے ہیں۔ ستگورو کے لیے بنا، اُن کی محبت کے بنا، چاروں ورن ہی نیچ ہیں۔ پلٹو صاحب یہی سمجھاتے ہیں۔

"پلٹو اُونچی ذات کو جن کوئی کرے اہنکار

صاحب کے دربار میں کیول بھگتی پیار"

کہ مالک کی درگاہ میں کیول بھگتی اور پیار کی ہی قدر ہے۔ بھگتی اور پیار نے ہی ہمیں واپس لیجاکر اُس مالک سے ملانا ہے۔ کسی کے من میں یہ خیال نہ ہو کہ میں برہمن کے گھر پیدا ہو گیا ہوں، مجھے ہی پرماتما سے ملنے کا فخر حاصل ہو سکتا ہے۔ یا میں ہندو سے عیسائی بن گیا ہوں، اب صرف میں ہی پرماتما کو مل سکوں گا۔ یا کوئی یہ خیال کرے، کہ میں ایک نیچی ذات میں جنم لے چکا ہوں، میں شاید اب کبھی بھی پرماتما کی بھگتی نہیں کر سکوں گا۔ گورو نانک صاحب نے تو اِن ذاتوں پاتوں کا یہاں تک کھنڈن کیا ہے۔

"بن نامے سب نیچ ذات ہیں وشٹا کے کیڑے ہودیں"

جو مالک کے نام کی کمائی نہیں کرتا، اُس سے زیادہ نیچی ذات والا اور کون ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اُس نے موت کے بعد وشٹا یا گندگی کے کیڑے بننا ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

جس نام ردے سوئی بڈ راجا ۔ جس نام ردے تس پورے کاجا

جس نام ردے سو سب تے اُونچا ۔ نام بنان بھرم جونی موچا

جس نام رِدے سو جیون مُکتا ۔ جس نام رِدے تِس سب ہی جُگتا

پھر کہا ہے ۔

"سبدے سوئی جن اُونچا۔ سچے آپ سماونیا"

اور

"نانک ہور پاتشاہیاں کُوڑیاں نام رتے پاتشاہ"

جو انسان کا شریر حاصل کر کے اُس مالک کے شبد یا نام کو اپنے من میں بسا لیتا ہے، اُٹھتے بیٹھتے اُس شبد کی کمائی میں لگ جاتا ہے، وہی شخص سب سے اُونچا ہے۔ کیونکہ اُس نے موت کے بعد جا کر سچے پرماتما کے اندر سما جانا ہے۔ اِس واسطے جو مالک کی ذات ہے، قوم ہے، مذہب ہے، مُلک ہے، وہی ہماری آتما کی ذات پات، قوم، مذہب و مُلک ہے۔ اِس واسطے ہر ایک مہاتما ہمارے خیال کو اِن چھوٹے چھوٹے تعصّب کے دائروں سے اُوپر لے جانے کی کوشش کرتا ہے اور ہمارے اندر اُس پرماتما کے سچے نام کی کمائی اور پیار کا شوق پیدا کرتا ہے۔

پرماتما ہمارے اندر ہے:-

پھر ہر ایک مہاتما ہمیں یہ تجربہ سمجھاتا ہے۔ کہ جس پرماتما کو ہم ڈھونڈنا چاہتے ہیں اور جس پرماتما کو مل کر ہماری آتما ہمیشہ کے واسطے مرنے اور پیدا ہونے کے دُکھوں سے بچ سکتی ہے، وہ پرماتما کہیں باہر نہیں ہے۔ وہ پرماتما ہر ایک کے شریر کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ جسکو ملا اپنے اندر ہی ملا اور جس کو بھی ملے گا اپنے اندر سے ہی ملے گا۔ اِس واسطے اگر کوئی تجربہ گاہ (LABORATORY) ہے۔ جس کے اندر جا کر ہم نے پرماتما کے ملنے کی کھوج یا ریسرچ کرنی ہے، وہ کیول ہمارا شریر ہے۔ ہر ایک مہاتما کا یہی اُپدیش ہے۔ گورو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

اِس کایا اندر جگ جیون داتا وسّے ۔ سبھناں کرے پرت پالا

"سب کچھ گھر میں باہر ناہیں ۔ باہر ڈھونڈیں سو بھرم بھولاہیں"

جس پرماتما نے سارے جگ کو جیون دیا ہے، اِس دُنیا کی رچنا کی ہے، اور جو پرماتما سب کا داتا ہے، سب کی سنبھال و رکھوالی کرتا ہے، وہ پرماتما اِس شریر کے اندر رہتا ہے۔ آپ پھر سمجھاتے ہیں کہ

"اِس گُپھا میں اکھٹ بھنڈارا

جس وِچ وسّے ہر الکھ اپارا"

یہ جو ہمارا شریر ہے، یہ صرف آتما کے ہی رہنے کی گُپھا نہیں ہے۔ وہ پرماتما جو کہ الکھ اور اگم ہے، وہ بھی اِس گُپھا یعنی شریر کے اندر ہی ہے۔ پھر اور جگہ لکھتے ہیں۔

"کایا اندر آپے وسّے الکھ نہ لکھیا جائی

من مُکھ مُگدھ بُوجھے ناہیں باہر بھالن جائی"

وہ پرماتما خود شریر کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ ہم اُس پرماتما کو باہر، آنکھوں کے ذریعہ باہر ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ہمیں کس طرح نظر آسکتا ہے! ہم من مُکھ ہیں، مُگدھ ہیں، گنوار ہیں۔ جو چیز ہمارے گھر کے اندر ہے، ہم اُس کو باہر ڈھونڈ رہے ہیں۔ کبیر صاحب کا بھی یہی تجربہ ہے۔

"جیوں تل میں تیل ہے، جیوں چقمق میں آگ

تیرا پریتم تجھ میں جاگ سکے سو جاگ"

آپ پھر فرماتے ہیں۔

جیوں نینوں میں پُتلی تیوں خالق گھٹ ماہیں

مُورکھ لوگ جانیں نہیں باہر ڈھونڈن جائیں

جا کارن جگ ڈھونڈیا سو تو ہے گھٹ ماہیں

پردہ دیا بھرم کا تاتے سُوجھے ناہیں

جس طرح تِلوں میں تیل ہے۔ اور پتھر میں آگ ہے، اُسی طرح پرماتما بھی ہمارے شریر کے اندر ہے۔ جس طرح آنکھوں کے اندر پُتلی ہے۔ اُسی طرح اِس دُنیا کو بنانے والا ہمارے شریر کے اندر ہے۔ ہم لوگ مُورکھ ہیں، اندھے ہیں۔ اپنے شریر کے اندر نہیں ڈھونڈتے ہیں۔ اُس کو باہر تلاش کرنے کو کوشش کرتے ہیں۔ جس چیز کی کھوج کے واسطے ہم جنگلوں اور پہاڑوں کے اندر بھٹکتے پھرتے ہیں، مندروں، مسجدوں میں ڈھونڈتے پھرتے ہیں وہ شریر کے ہی اندر ہے۔ ہمارے اور مالک کے درمیان بھرم کا پردہ ہے۔ اِس واسطے وہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ اِسی طرح مہاتما چرنداس جی کا تجربہ ہے۔

دُودھ مدھیہ جیوں گھیو ہے، مہندی ماہیں رنگ

جتن بنا نکسے نہیں، چرنداس سو ڈھنگ

جو جانے یا بھید کو، اور کرے پردیس

سو ابناشی ہوت ہے، چھُٹّے سکل کلیس

اِسی طرح تُلسی صاحب جو کہ یو۔ پی کے اندر دکھنی بابا کے نام سے بڑے مشہور مہاتما ہوئے ہیں، اپنی بانی میں ذکر کرتے ہیں۔

"کیوں بھٹکتا پھر رہا تُو اے تلاشِ یار میں

راستہ شہ رگ میں ہے دِل بر پہ جانے کے لیے"

کہ کیوں اُس پرماتما کی کھوج میں باہر بھٹکتے پھر رہے ہو۔ پرماتما ہر ایک شریر کے اندر ہے اور اُس تک پہنچنے کا راستہ بھی پرماتما نے ہر ایک کے اندر ہی رکھا ہے۔ عیسےٰ مسیح نے بھی بائیبل کے اندر یہی سمجھایا ہے۔

"پرمیشور کا راجیہ تمہارے بیچ میں ہے" (لُوقا ۱۷: ۲۱)

پلٹو صاحب کا بھی یہی تجربہ ہے۔

"صاحب صاحب کیا کرے صاحب تیرے پاس"

کہ وہ پرماتما تو چوبیس گھنٹے ہمارے ساتھ ساتھ پھرتا ہے، تم کس کو دن رات ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ یعنی وہ پرماتما ہر ایک کے شریر کے اندر ہے۔

گورو امرداس جی فرماتے ہیں۔

"سدا حضور دُور نہ دیکھو رچنا جن رچائی"

اِسی طرح داؔدو صاحب فرماتے ہیں۔

"داؔدو جیو نہ جانے رام کو رام جیو کے پاس
گورو کے شبد وہ باہرا، تاتے پھرے اُداس
دُور کہے تے دُور ہے، رام رہیا بھرپور
نینہوں بِن سوجھے نہیں، تاتے اودے کت دُور
کوئی دوڑے دوارکا، کوئی کاشی جائیں
کوئی متھرا کو چلے، صاحب گھٹ ہی ماہیں
سب گھٹ ماہیں رم رہیا پر لا بُوجھے کوئے
سوئی بُوجھے رام کو، جو رام سنیہی ہوئے

کہ جس پرماتما نے دُنیا کی رچنا کی ہے، وہ چوبیس گھنٹے تمہارے ساتھ ساتھ ہے۔ لیکن ہم دُنیا کے جیو شریر اور دیہہ کے اندر جا کر کبھی پرماتما کی کھوج کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ہمیشہ اُس کو یا تو جنگلوں و پہاڑوں کے اندر ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں یا گرنتھوں پوتھیوں میں سے پانا چاہتے ہیں، یا سمجھتے ہیں کہ وہ گوردواروں، مندروں، مسجدوں یا گرجوں میں ہی مل سکتا ہے کبھی خیال آتا ہے کہ وہ کہیں آسمانوں کے پیچھے چھپا بیٹھا ہے۔ لیکن جس جگہ وہ پرماتما ہے اُس جگہ تلاش نہیں کرتے۔ گورو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"گورمکھ ہوئے سو کایا کھوجے
ہور سب بھرم بھلائیں"

کہ جو مالک کے اصلی بھگت و پیارے ہیں، جن کو کسی سنت مہاتما کی صحبت مل چکی ہے، وہ پرماتما کو شریر اور دیہہ کے اندر ڈھونڈتے ہیں۔ باقی سب دُنیا کے جیو بھرموں میں پھنس کر یہیں بھولے پھرتے ہیں۔ سائیں بُلھے شاہ کہتا ہے۔

"بُلھا شوہ اساں تھیں وکھ نہیں، بِن شوہ تھیں دُوجا لکھ نہیں
پر ویکھن والی اکھ نہیں، تائیں جان جُدائیاں سہندی ہے"

کبیر صاحب نے تو بڑے زوردار لفظوں میں ہمارے خیال کو اِس وہم و بھرم سے نکالنے کی کوشش کی ہے۔ آپ سمجھاتے ہیں۔

"کنکر پتھر جوڑ کر، مسجد لئی چنائے
تاں چڑھ مُلاّ بانگ دے کیا بہرہ بھیا خُدائے
مُلاّ چڑھ کلکاریا، الکھ نہ بہرہ ہوئے
جس کارن تو بانگ دے سو دِل ہی اندر جوئے
تُرک مسیتے ہندو دیہرے، آپ آپ کو دھائے
الکھ پُرش گھٹ بھیترے، تا کا دوار نہ پائے"

پتھر اور اینٹیں اِکٹھی کر کے ہم مسجد یا مالک کے رہنے کی جگہ بنا لیتے ہیں۔ اور اُن کے اُوپر چڑھ کر مولوی اُونچی اُونچی بانگ دے کر پرماتما کو پکارتا ہے، جیسے کہ پرماتما بہرہ ہے اور ہماری آواز اُس تک نہیں پہنچ سکتی۔ آپ سمجھاتے ہیں "کہ اے مُلاّ! وہ خُدا بہرہ نہیں ہے۔ اِتنا چلاّنے کی کیا ضرورت ہے۔ جس خُدا کے واسطے تو اِتنا زور زور سے چلاّ رہا ہے۔ وہ تو تیرے اندر ہی موجود ہے۔ مسلمان اُس خُدا کو مسجد کے اندر ڈھونڈ رہے ہیں۔ ہندو مندروں میں اُس پرماتما کی تلاش کر رہے ہیں۔ سکھ اور عیسائی گوردواروں اور گرجوں کے اندر جا کر کھوج رہے ہیں۔ لیکن وہ الکھ پُرش تو اُن کے شریر کے اندر ہی ہے اور اندر ہی ملے گا۔ اِسی طرح تُلسی صاحب سمجھاتے ہیں۔

"نقلی مندر مسجدوں میں جائے صد افسوس ہے
قُدرتی مسجد کا ساکن دُکھ اُٹھانے کے لئے"

سائیں بُلھے شاہ کیا آزادی سے کہتے ہیں۔

"بھٹھ نمازاں تے چکڑ روزے کلمے تے پھر گئی سیاہی
بُلھے نوں شوہ اندروں ملیا، بھُلّی پھرے لوکائی"

پھر فرمایا ہے۔

"بید قرآن پڑھ پڑھ تھکے سجدے کر دیاں گھس گئے متھے
نہ رب تیرتھ نہ رب مکے جس پا ماتس وِل وچ یار"

جو ہم نے پرماتما کے رہنے کی جگہ بنائی ہے، کتنا افسوس ہے کہ ہم اُن جگہوں پر جا کر دن رات اُس پرماتما کی کھوج کر رہے ہیں اور جس مسجد اور شریر کے اندر وہ پرماتما خود بیٹھا ہوا ہے وہ شریر اُس مالک کی یاد میں دن رات دُکھ اُٹھا رہا ہے۔ اگر کوئی سچے سے سچا گوردوارہ، مندر، مسجد یا گرجا ہے تو وہ کیول ہمارا اپنا شریر ہے۔ یہ جگہ پرماتما نے اپنے رہنے کے لئے خود بنائی ہے اور اس کے اندر وہ خود ہی بیٹھا ہوا ہے۔ کبیر صاحب کا فرمان ہے۔

"سب گھٹ پورن پور رہیا ہے، آدپرُش نربانی"

سینٹ پال نے بھی اِس شریر کو جیوت پرماتما کا مندر کہہ کر بیان کیا ہے۔ یعنی وہ مندر جس کے اندر زندہ خدا رہتا ہے۔ رِشی منیوں نے اِس شریر کو نر نارائنی دیہہ کہہ کر سمجھایا ہے۔ وہ دیہہ جو پرماتما نے خود پیدا کی ہے اور جس کے اندر وہ پرماتما خود بیٹھا ہوا ہے اور جس دیہہ کے اندر ہی ہماری آتما کو پرماتما ہونے کا فخر حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی گورو امرداس صاحب سمجھاتے ہیں۔

"ہر مندر ایہہ شریر ہے گیان رتن پرگٹ ہوئے"

کہ یہ ہمارا شریر ہی مالک کے رہنے کا اصلی ہری مندر ہے اور اُس مالک کا اصلی گیان اسی شریر کے ماسہل ہو سکتا ہے۔ ذرا غور کر کے دیکھو کہ جو جگہ ہم نے خود اُس پرماتما کے رہنے کے لئے بنائی ہوئی ہیں۔ مثلاً مسجد، مندر، گوردوارہ، گرجا وغیرہ اُن کے اندر جا کر پرماتما کی کھوج کر رہے ہیں، بہ نسبت اُس جگہ کے جو پرماتما نے خود اپنے رہنے کے واسطے بنائی ہے اور جس کے اندر پرماتما خود بیٹھا ہوا ہے۔ ہم اپنے اُن دھارمک ستھانوں کو کتنا صاف ستھرا رکھتے ہیں ذرا گندگی وہاں نہیں رہنے دیتے، دھوپ وغیرہ جلاتے ہیں۔ اُس جگہ کوئی بُرا کرم یا فعل نہیں کرتے، کسی کو کوئی نامناسب لفظ تک نہیں کہتے۔ کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ مالک کے رہنے کی جگہ ہے۔ اُن جگہوں کی پوترتا قائم رکھنی چاہیئے۔ لیکن جو جگہ مالک نے خود اپنے رہنے کے لئے بنائی ہے۔ اور جس کے اندر وہ پرماتما خود بیٹھا ہوا ہے یعنی ہمارا شریر اُس کو کس طرح دن رات گندگی سے بھر رہے ہیں۔ کبھی مانس اور شراب اُس کے اندر ڈالتے ہیں، کبھی اُس کے اندر بیٹھ کر بُرے بُرے خیالات اُٹھاتے ہیں اور کھوٹے پاپ وکرم کرتے ہیں۔ اپنی بنائی ہوئی چیز کی تو قدر کرتے ہیں۔ جو مالک نے خود اپنے رہنے کے لئے جگہ بنائی ہے، اُس کی قدر نہیں کرتے اور کئی دفعہ تو تاریخ پڑھ کر بڑی شرم بھی محسوس ہوتی ہے کہ اگر ہمارے بنائے ہوئے کسی مندر، مسجد، گوردوارہ یا گرجا وغیرہ کی غلطی سے کسی دیوار میں ایک شگاف (CRACK) بھی آ جاتی ہے تو ہم اُس پرماتما کے بنائے ہوئے ہر مندروں کو ہزاروں کی تعداد میں گراتے جاتے ہیں۔

"ہندو کہت ہے رام ہمارا مسلمان رحمانا
آپس میں دوؤ لڑے مرت ہیں دُبدھا میں لپٹانا" (کبیر صاحب)

تاریخ بتلاتی ہے کہ کتنے جنگ وجدل ہوئے۔ کتنا خون خرابہ ہوا۔ کتنے بچے یتیم ہوئے، کتنی عورتیں بیوہ ہوئیں۔ اور پھر ہم فخر محسوس کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو مذہب کے رکھوالے خیال کرتے ہیں اور شہیدانِ ملت کہلواتے ہیں۔ اگر ایک دُوسرے کے قتل اور خلقِ خدا کا خون بہانے سے ہی پرماتما مل سکتا ہو تو اس سے زیادہ سستا سودا اور آسان طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ ہمارا خیال غلط ہے۔ جن کا پرماتما سے پیار ہے وہ پرماتما کی خلقت اور اُس کی مخلوق سے بھی پیار کرتے ہیں۔ جب ایک ہی پرماتما ہے، اور اُس پرماتما نے ہی سب کو پیدا کیا ہے اور ہر ایک کے اندر وہ خود ہی بیٹھا ہے، اور ہر ایک نے اپنے اندر ہی اُس پرماتما کی کھوج کرنی ہے، تو اگر پھر بھی کوئی کسی سے نفرت کرتا ہے تو وہ پرماتما سے نفرت کرتا ہے۔ اگر ایک قوم دوسری قوم کو بُرا بھلا کہتی ہے، اور ایک مذہب دوسرے مذہب والوں کے خون کا پیاسا ہے، تو میرا اپنا خیال ہے کہ اُس قوم اور مذہب کے اندر ابھی تک مالک سے ملنے کا شوق و پیار ہی پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ جس کا اُس پرماتما سے پیار ہے، وہ پرماتما کی خلقت اور مخلوق سے بھی ضرور پیار کرے گا۔ اگر ہم کسی سے نفرت کرتے ہیں تو ہم اُس پرماتما سے ہی نفرت کر رہے ہیں جو اُس کے اندر بیٹھا ہوا ہے اور جس نے اُس کو پیدا کیا ہے۔ گورو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"جیا جنت سب تیندے سبھناں کا سوئی
مندا کس نوں آکھئے جے دوجا ہوئی"

کہ اے پرماتما سب دُنیا کے جیو تیرے اپنے پیدا کئے ہوئے ہیں اور تو خود ہی ہر ایک کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ نیچا اور بُرا تو میں اُس کو کہوں جو اُن کے اندر کوئی اور پرماتما ہو یا اُن کو کسی اور نے پیدا کیا ہو۔ یہی ہم کو کبیر صاحب اُپدیش کرتے ہیں۔

"اوّل اللہ نور اُپایا، قدرت کے سب بندے
ایک نور تے سب جگ اُپجیا کون بھلے کو مندے"

اِسی طرح عیسیٰ مسیح نے بھی بائیبل کے اندر سمجھایا ہے۔

"سچی جیوتی جو ہر ایک منشیہ کو پرکاشت کرتی ہے جگت میں آنے والی تھی"
(یوحنا ۱ : ۹)

کہ اُس پرماتما کا نور اور پرکاش ہر ایک کے اندر ہے، نہ کوئی بُرا ہے، نہ کوئی اچھا ہے، سب اپنے اپنے کرموں کے بموجب اپنا اپنا حساب دے رہے ہیں۔ اِس واسطے مہاتما سمجھاتے ہیں کہ اُس

پرماتما کی کھوج اور تلاش باہر نہیں کرنی چاہیے۔ اپنے شریر اور دیہہ کے اندر ہی کھوج کرنی چاہیے۔

خودی کی رُکاوٹ

اب قدرتاً من میں یہ خیال آتا ہے کہ اگر پرماتما ہر ایک کے اندر ہے تو ہم کو اپنے اندر نظر کیوں نہیں آتا۔ ہمارے اندر کس چیز کی رُکاوٹ ہے۔ وُہ رُکاوٹ ہمارے اندر سے کس طرح دُور ہو سکتی ہے۔ گورُو ارجن دیو جی لکھتے ہیں۔

"ایکا سنگت اِکت گرِیہہ بستے بل بات نہ کرتے بھائی
انتر الکھ نہ جائے لکھیا وِچ پردہ ہَومے پائی"

کہ دونوں اِکٹھے ہی رہتے ہیں، اور ایک ہی گھر میں دونوں کا نواس ہے۔ لیکن آپس میں مِلاپ نہیں ہے۔ آتما بھی شریر کے اندر ہے، پرماتما بھی اِس شریر کے اندر ہے۔ لیکن نہ کبھی آتما نے پرماتما کو دیکھا، نہ کبھی آتما سُہاگن ہوئی۔ پھر خود ہی جواب دیتے ہیں کہ پرماتما ضرور ہمارے شریر کے اندر ہے، لیکن ہمارے اور مالک کے درمیان ہَومیں کی بڑی زبردست رُکاوٹ ہے گورُو نانک صاحب کا واک ہے۔

"ہَوں وِچ آیا، ہَوں وِچ گیا، ہَوں وِچ جمیا، ہَوں وِچ مُوا
ہَوں وِچ دِتا، ہَوں وِچ لیا، ہَوں وِچ کھٹیا، ہَوں وِچ گیا،
ہَوں وِچ سچیار کوڑیار، ہَوں وِچ پاپ پُن وِیچار، ہَوں وِچ نرک سُورگ اوتار"

پھر کہتے ہیں۔

"ہَومے دِیرگھ روگ ہے، دارُو بھی اِس ماہِیں
کِرپا کرے جے آپنی تاں گورُو کا سبد کماہِیں"

پھر فرماتے ہیں۔

"جیون مُکت سو آکھیئے جِس وِچوں ہَومے جائے"

کہ ہم جیتے جی مُکتی حاصل کر سکتے ہیں، اگر ہمارے اندر سے یہ ہَومیں کی رُکاوٹ دُور ہو جائے گورُو امر داس جی بیان کرتے ہیں۔

"ہر جیو سچا اُونچو اُونچا۔ ہَومے مار مِلاونیا"

کہ وُہ پرماتما سچا ہے۔ اُونچے سے اُونچا ہے۔ یعنی سچکھنڈ کا رہنے والا ہے۔ لیکن جب تک ہم ہَومیں کی رُکاوٹ دُور نہیں کریں گے، اُس پرماتما سے نہیں مِل سکتے۔ یہی دادُو صاحب سمجھاتے ہیں۔

"دادُو دعویٰ دُور کر بِن دعویٰ دِن کٹ
کیتے سَوداگر گئے پنساری کی ہٹ"

کہ اے دادُو! دُنیا میں کسی چیز کا دعویٰ نہ کر۔ تیرا اِس دُنیا میں کچھ نہیں ہے۔ یہ سب کچھ اُس پرماتما کا ہے۔ اِس کو پرماتما کا ہی سمجھ۔ اپنا بنانے کی کوشش نہ کر۔ نہ کبھی یہ کسی کے بنے اور نہ ہی بن سکتے ہیں۔ دُنیا میں بڑے بڑے راجہ مہاراجہ اِس سنسار کو اپنا بناتے ہوئے چلے گئے۔ یہ دُنیا اُن کی نہ بن سکی۔ یہ ہماری ہَومیں یا موہ ہی ہے، جو بار بار ہمیں اِس دیہہ کے بندھنوں میں لاتی ہے۔ کرائسٹ نے بھی بائیبل کے اندر ذِکر کیا ہے۔

"مَیں پھر تم سے کہتا ہُوں کہ پرمیشور کے راجیہ میں دھنوان کے پرویش کرنے سے اُونٹ کا سُوئی کے ناکے میں سے نِکل جانا سہج ہے"

(متی ۱۹ : ۲۴)

بلّھے شاہ کا بھی یہی کلام ہے۔

"دُوئی دُور کرو کوئی شور نہیں۔ ایہہ تُرک ہندُو کوئی ہور نہیں
سب سادھ لکھو کوئی چور نہیں ہر گھٹ گھٹ بیچ سمایا ہے"

اِسی طرح کبیر صاحب بھی فرماتے ہیں۔

"کام تجے تو کرودھ نہ جائی۔ کرودھ تجے تو لوبھا
لوبھ تجے اہنکار نہ جائی۔ مان بڑائی شوبھا"

"ہَومیں کیا ہے؟ یہ جو ہم سارا دن سوچتے ہیں کہ یہ میری اَولاد ہے، یہ میری جائیداد ہے، یہ میری دھن دَولت ہے۔ یہ سب کچھ دراصل تو اُس پرماتما کے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو اُس پرماتما سے الگ سمجھے بیٹھے ہیں۔ اِن کو اپنا بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن یہ آجتک نہ کسی کے بنے، نہ بن ہی سکتے ہیں۔ لیکن جواِن کو اپنا بنانے کی کوشش کرتے ہیں وُہ ہم کو اِن کے موہ و پیار کے اندر اُلجھا دیتی ہے اور ہمارا اِن شکلوں اور پدارتھوں کے ساتھ اِتنا پیار پیدا ہو جاتا ہے، کہ رات کو ہمیں اِن کے ہی سپنے آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور موت کے وقت اِن کی ہی شکلیں ہماری آنکھوں کے سامنے آکر سینما کے سکرین (پردے) کے اُوپر تصویروں کی طرح پھرنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اور جس طرف بھی آخری وقت ہمارا خیال ہوتا ہے، ہم دُنیا کے جیوا اُسی رَو میں بہہ جاتے ہیں۔ یہ دُنیا کی شکلوں اور پدارتھوں کا موہ اور پیار ہے، جو کہ ہر ایک جیو کو بار بار دیہہ کے بندھنوں کی طرف کھینچ کر لے آتا ہے۔ کرائسٹ بھی بائیبل میں کہتا ہے۔

"اور منُشیہ کے بیری اُس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے۔" (متی ۱۰ : ۳۶)

پھر آگے وہ بتلاتا ہے کہ ہمارے سچے رشتہ دار کون ہیں۔

"کیونکہ جو کوئی میرے سورگیہ پتا کی اِچھا پر چلے وہی میرا بھائی اور بہن اور ماتا ہے۔ (متی ۱۲ : ۵۰)

ہمارا من :- دُنیا کی مشکلوں اور پدارتھوں سے کون موہ اور پیار ڈالے بیٹھا ہے؟ یہ ہمارا من ہے۔ اِس واسطے اگر آتما اور پرماتما کے درمیان کوئی رُکاوٹ اور پردہ ہے تو وہ کیول ہمارے من کا پردہ ہے۔ اِس واسطے گورو نانک صاحب اپنی بانی میں لکھتے ہیں۔

"مَن جیتے جگ جیت"

اگر تم اپنے مَن کو قابو کر لیتے ہو تو تم ساری دُنیا کے بنانے والے کو ہی قابو کر لیتے ہو۔ دُنیا میں اگر کوئی ہمارا دُشمن ہے تو صِرف ہمارا من ہی ہے۔ یہ کبھی کسی کو اپنا بناتا ہے۔ کبھی کسی کو بیگانہ سمجھتا ہے۔ اچھی طرح وِچار کر کے دیکھ لو۔ یہ صِرف ہمارا من ہی ہے جس کے تابع ہو کر قوم قوم کی دُشمن ہے، مذہب مذہب کا دُشمن ہے، ایک مُلک دُوسرے مُلک کو تباہ کرنا چاہتا ہے، بھائی بھائی کو دیکھنا نہیں چاہتا، ایک دُوسرے کے گلے کاٹنے کی سکیمیں اور تدبیریں ہم ہمیشہ ہی سوچتے رہتے ہیں۔ یہ جو کُچھ بھی ہم سے کروا رہا ہے، یہ ہمارا من ہی ہے۔ سو جتنا عرصہ ہم اپنے من کو قابو نہیں کرتے، ہم واپس جا کر پرماتما سے مِلنے کے قابل کیسے ہو سکتے ہیں۔

من کو قابو کرنے کا کیا مطلب ہے؟ جس طرح ہماری آتما اُس پرماتما کی انش ہے اِسی طرح ہمارا من بھی کوئی چھوٹی چیز نہیں ہے۔ یہ برہم کی انش ہے، ترکُٹی کا رہنے والا ہے۔ لیکن یہاں مایا کے جال میں پھنس کر اپنے آپ کو بھُول بیٹھا ہے۔ یہاں آ کر آتما نے من کا ساتھ لیا ہُوا ہے۔ رُوح اور من کی گانٹھ بندھی ہُوئی ہے۔ جب تک آتما من کا ساتھ نہیں چھوڑتی، نہ کبھی اُس کو اپنے آپ کا پتہ لگ سکتا ہے نہ وہ کبھی اپنے اصل کو مِلنے کے قابل ہو سکتی ہے۔ من کا ساتھ آتما اُس وقت ہی چھوڑ سکے گی، جب من واپس جا کر برہم یا ترکُٹی میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے گا۔ ہم نے جو بھی کوشش کرنی ہے۔ وہ من اور رُوح کی گانٹھ کھولنے کی کرنی ہے۔ اِسی واسطے سُقراط نے کہا ہے "اپنے آپ کو جانو"۔ یہی گورو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

"سو جن نِرمل جِن آپ پچھاتا"

وہی شخص نِرمل و پوِتر ہے جو اپنے آپ کو پہچاننے کے قابل بن جاتا ہے۔ کبیر صاحب بھی

یہی فرماتے ہیں۔

"سادھو! ستگورو الکھ لکھایا۔ جب آپ آپ درسایا"

سوامی جی مہاراج بھی فرماتے ہیں۔

"آپ آپ کو آپ پچھانو ۔ کہا اور کا نیک نہ مانو"

اپنے آپ کو پہچاننے کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو من اور مایا کے دائرے سے پار جانا ہے۔ ہم نے اپنی آتما پر سے تینوں غلاف ستھُول، سُوکھشم اور کارن اُتارنے ہیں۔ اور رجوگُن، تموگُن اور ستوگُن، تینوں گُنوں سے پار ہونا ہے۔ پھر جا کر اپنے آپ کا پتہ لگے گا اور اپنے اصل کا پتہ لگے گا۔ ہماری آتما تو بالکل نِرمل، پوِتر اور پاک تھی، لیکن من کا ساتھ لینے کی وجہ سے اتنی گندی اور میلی ہو چکی ہے۔ مثال کے طور پر بادل میں پانی کتنا صاف سُتھرا ہوتا ہے۔ لیکن جس وقت وہ برسات بن کر زمین پر آتا ہے تو کتنا گندا ہو جاتا ہے۔ اُس کے اندر سے بدبُو تک آنی شروع ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی اصلیت کو بالکل بھُول بیٹھتا ہے۔ اور اپنے آپ کو گندگی کا ہی رُوپ سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ لیکن جب اُس گندگی کو پھر سُورج کی تپش لگتی ہے اور وہ بخارات بن کر اُس گندگی کو چھوڑتا ہے تب اُس کو پھر اپنے آپ کی ہوش آتی ہے کہ مَیں کون ہُوں۔ جس وقت اُس کو اپنے آپ کا پتہ لگتا ہے تو پھر وہ اپنے اصل کے متعلق سوچتا ہے۔ اور پھر آسمان کے اندر بادل میں سیدھا جا کر اپنے اصل کے اندر ہی سما جاتا ہے۔ یہی ہماری آتما کی حالت ہے کہ یہ مایا کے جال میں پھنس کر من کے تابع ہو چکی ہے اور من آگے اِندریوں کے بھوگوں کا عاشق بن چکا ہے اور جو کرم من کرتا ہے، اُس کا نتیجہ ساتھ ساتھ آتما کو بھی بھُگتنا پڑتا ہے۔ جتنا عرصہ یہ من کا ساتھ نہیں چھوڑے گی یہ کبھی بھی اپنے اصل کے اندر سمانے کے قابل نہیں ہو سکتی۔ مہاتما چرنداس جی فرماتے ہیں۔

"اِندرین کے بس من رہے من کے بس رہے بُدھ
کہو دھیان کیسے لگے ایسا جہاں وِرُدھ"

ایک بجلی کا تیز بلب کتنا ہی روشنی والا ہوتا ہے، لیکن اُسی بلب کے اِرد گِرد ہم بہُت سے کالے کپڑے لپیٹنے شروع کر دیں، تو اُس کی روشنی کم ہوتے ہوتے ختم ہو جاتی ہے۔ اُس بلب کو جس جگہ بھی لے جاویں، اندھیرا ہی اندھیرا ہو گا۔ جیسے جیسے ہم وہ کالے کپڑے اُتارتے جاویں گے، اُس کی روشنی اور پرکاش ظاہر ہونا شروع ہو جاوے گا اور سب کپڑے اُتر جانے پر اُس کی روشنی مکمل ہو جاوے گی۔ اِسی طرح جیسے جیسے ہماری آتما من کا ساتھ چھوڑتی جائے گی، یا من کے غلاف اُس کے اُوپر سے اُترتے جائیں گے۔ وہ اپنے آپ کو پہچاننے کے قابل بنتی جاوے گی۔ اس واسطے کہا ہے کہ پرماتما کے ساکشار سے پہلے آتم ساکشاتکار ہونا ضروری ہے۔

ہم نے اب جو بھی کوشش کرنی ہے، جو کوئی بھی طریقہ سوچنا ہے، وہ اپنے من کو قابو کرنے کا ہی سوچنا ہے۔ من کو واپس برہم یعنی ترکٹی میں لے جانے کا ہی کرنا ہے۔ ہر ایک مذہب کا یہی مقصد ہے۔ ہم دُنیا کے جیو اپنی اپنی عقل کے مطابق ہزارہا جگتی اور طریقوں سے من کو قابو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب تپ کرتے ہیں، پوجا پاٹھ کرتے ہیں، گرنتھ، پوتھیاں، وید، شاستر پڑھتے ہیں، پُن دان کرتے ہیں، کئی قسم کے ہون وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ گھر بار چھوڑ کر جنگلوں پہاڑوں میں چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ سارے سادھن صرف من کو ہی قابو کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ ہم ہٹھ کرموں کے ذریعے سنجم کے ذریعے اپنے خیال کو دُنیا سے الگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن کیونکہ ہمارا خیال اور کسی چیز سے جا کر نہیں جُڑتا۔ اِس لئے دُنیا کے اندر ہی پلٹ کر بھٹکنا شروع کر دیتا ہے۔ دُنیا کے اندر سے اپنا خیال زبردستی نکالنا ایسا ہی ہے، جس طرح ایک زہریلے سانپ کو کسی ٹوکری یا پٹاری کے اندر بند کر دینا ہے۔ جتنا عرصہ وہ ٹوکری کے اندر بند رہتا ہے، ہم اُس کے زہر اور ڈنگ سے بچے رہتے ہیں۔ لیکن جب بھی اُس کو نکلنے کا موقع ملے گا، وہ ڈنگ ضرور مارے گا۔ کبھی بھی اپنی عادت سے باز نہیں آسکتا۔ اِس واسطے ایک سانپ کو ٹوکری کے اندر بند کر دینے سے ہم ہمیشہ کے واسطے اُس کے زہر سے بے خوف نہیں ہو سکتے۔ ہمیں اپنی جان کا خطرہ لگا ہی رہتا ہے۔ اگر اُسی سانپ کو پکڑ کر اُس کی زہر کی تھیلی ہی نکال دیں تو وہ سانپ بے ضرر ہو جاتا ہے۔ ڈنگ نہیں مار سکتا اور ہم ہمیشہ کے واسطے بے خوف ہو جاتے ہیں۔ چاہے اُس کو اب اپنے گلے میں ڈالے پھریں۔

اِسی طرح ہم جنگلوں، پہاڑوں کے اندر چھپ کر، گرنتھ، پوتھیاں، وید، شاستر پڑھ کر، بال بچوں کو تیاگ کر ہم سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارا من قابو میں آگیا ہے۔ لیکن جس وقت پھر دُنیا کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وُہی خواہشیں اور ترشنا جو ہمارے اندر دبی پڑی تھیں، ہمیں پھر انگلیوں پر نچانا شروع کر دیتی ہیں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ عام سادھارن اِنسانوں سے بھی ہماری حالت بدتر ہو جاتی ہے۔ جتنا بھی ہم کسی چیز کو دباتے ہیں اُتنا ہی وہ زیادہ اُچھلتی ہے۔ زبردستی من کو قابو کرنا ایسا ہی ہے، جس طرح سُلگتے ہوئے کوئلوں کے اُوپر ہم راکھ ڈال دیتے ہیں۔ دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ آگ بجھی ہوئی ہے۔ لیکن جس وقت ذرا بھی ہوا چلتی ہے، وہ راکھ اُڑ جاتی ہے اور آگ پھر بھڑک اُٹھتی ہے۔ اِسی طرح جب بھوگوں اور وِشیوں کی آندھی آتی ہے تو یہ من بھڑک کر بے قابو ہو جاتا ہے۔ اور پہلے سے بھی زیادہ مونہہ زور ہو جاتا ہے۔ زبردستی من کو قابو کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے ہم ایک بدمعاش کو پولیس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جب تک وہ بدمعاش پولیس کی حراست میں رہتا ہے، اُتنا عرصہ ہم اُس کی شرارتوں سے ضرور بچے رہتے ہیں۔ لیکن جس وقت

اُس کو پولیس آزاد کر دیتی ہے، وہ بستی کے اندر آ کر پھر ویسی ہی شرارتیں کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر اُس بدمعاش کو ہم پولیس کے حوالے کرنے کی بجائے سمجھا بجھا کر ایک شریف اِنسان بنا لیتے ہیں تو ہم ہمیشہ کے لئے اُس کی شرارتوں سے بچ جاتے ہیں۔ اِس واسطے مہاتما سمجھاتے ہیں کہ ہٹھ کرموں کے ذریعہ یا سنجم کے ذریعہ زبردستی ہم اپنے من کو کبھی بھی قابو نہیں کر سکتے۔ کچھ عرصہ کے لئے ضرور کچھ شانتی اور آرام حاصل کر لیں گے۔

اگر ہم من کو قابو کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں من کی عادت اور طبیعت کو اچھی طرح سمجھنا ضروری ہے۔ ہمارا سب کا تجربہ ہے کہ من لذّت کا عاشق ہے۔ ایک چیز سے پیار کرتا ہے، اگر دُوسری چیز یا شکل اُس سے اچھی نظر آتی ہے تو پہلی کو چھوڑ کر دُوسری کی طرف دوڑنا شروع کر دیتا ہے۔ کوئی بھی موہ یا پیار ہمارے من کو ہمیشہ کے واسطے لے کر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ ہر ایک کا اپنی اپنی زندگی کا تجربہ ہے کہ وہ شکلیں اور پدارتھ جن کو ہم کسی وقت اپنا بنانے کی کوشش کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اُن کے بغیر ہمارا زندہ رہنا ہی مشکل یا بالکل ناممکن ہے، آج اُن ہی شکلوں سے من نفرت کر رہا ہے اور اُنہیں دیکھنا تک گوارا نہیں کرتا۔ یہ ہم عام طور پر کہتے ہیں کہ من انیکتا (VARIETY) کا عاشق ہے۔ ایک چیز کو دیکھ دیکھ کر، کھا کھا کر ہم اُکتا تنگ آجاتے ہیں۔ اپنی ساری زندگی کو آنکھوں کے آگے رکھ کر غور سے دیکھو کہ بچپن میں ہمارا ماتا پتا سے کتنا پیار تھا۔ اگر دو منٹ بھی ماتا ہماری آنکھوں سے دُور ہو جاتی تھی تو ہم رونا اور چیخنا چلانا شروع کر دیتے تھے۔ لیکن جب دو تین بھائی بہن ہو جاتے ہیں تو وُہی ماتا کا پیار بھائی بہنوں کے پیار میں تبدیل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جس وقت سکولوں اور کالجوں میں جاتے ہیں، وہی پیار یار دوستوں سے ہو جاتا ہے۔ شادی کے بعد بیوی بال بچوں میں جا کر بس جاتا ہے۔ بزرگ ہوتے ہیں تو قوموں، مذہبوں، ملکوں تک میں جا کر پھیل جاتا ہے۔ ایک پیار ہے کتنی شکلیں بدلتا ہے لیکن کوئی بھی پیار ہمارے من کو ہمیشہ کے واسطے لے کر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہمارا من لذّت کا عاشق ہے۔ جتنا عرصہ ہمارے من کو دُنیا کی لذّت اور موہ و پیار سے اُونچی اور سچی لذّت، موہ یا پیار نہیں ملتا، یہ دُنیا کی لذّت، موہ یا پیار کو کسی بھی حالت میں چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتا۔

وہ لذّت کس چیز کی ہے، جس کو پا کر ہمارا من دُنیا کے موہ و پیار کو چھوڑ دے گا؟ مہاتما اپنا تجربہ بتلاتے ہیں کہ وہ شبد اور نام کی لذّت ہے۔ وہ لذّت اِتنی اُونچی پوتر و نربل ہے کہ اُس لذّت کو پا کر ہمارا من خود بخود دُنیا کے موہ اور پیار کو چھوڑ دیتا ہے۔ جس کو ہیرے اور جواہرات مل جاتے ہیں وہ کوڑیوں کے لئے دربدر ٹھوکریں نہیں کھاتا۔ لڑکیاں گڑیوں اور کھلونوں سے اُس وقت تک کھیلتی ہیں جب تک اُن کی شادی نہیں ہو جاتی۔ بیراگ کبھی بھی ہمارے اندر لگاؤ پیدا نہیں کر سکتا۔

۲۶

صرف لگاؤ (ATTACHMENT) ہی ہمارے اندر (DETACHMENT) بیراگ پیدا کر سکتی ہے۔ اگر ایک لڑکی کو شادی سے پہلے سمجھایا جاوے کہ ماتا پتا کا پیار چھوڑ دے بھائی بہنوں، سکھی سہیلیوں کو بھول جا' تاکہ تمہاری شادی کر دیں' تو یہ اُس کے واسطے مُشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن سا ہی ہے جس وقت اُس کا اپنے پتی سے پیار ہو جاتا ہے تو ماتا پتا' بہن بھائی' سکھی سہیلیاں کو خُود بخُود بھول جاتی ہے۔ اگر ایک کنگال کوڑیاں مانگتا پھر رہا ہے' اُس سے اگر ہم ایک کوڑی بھی چھیننے کی کوشش کریں گے تو وُہ مارنے مرنے کو تیار ہو جائے گا۔ لیکن جس وقت ہم اُس کے ہاتھ میں اشرفی دے دیں گے تو اُس کی کوڑیوں والی مٹھی خُود بخُود کھُل جائے گی۔

گورُو نانک صاحب من کے متعلق سمجھاتے ہیں۔

" پاٹھ پڑھیو اور بید بچاریو نِولی بھُوانگم سادھے
پنچ جناں سیوں سنگ نہ چھُٹکیو ادِھک اہم بُدھی بادھے
پیارے اِن بِدھی مِلن نہ جائی مَیں کیئے کرم انیکا

من کو بس کرنے کے لئے ہم نے بے شمار گرنتھوں پوتھیوں کا پاٹھ کیا۔ اٹھارہ پُوران، گیتا' بھاگوت' کھٹ شاستر اور وَیدوں' اُپنشدوں پر بھی وچار کیا۔ پرانایام' نیولی کرم' ہٹھ یوگ کی سب کٹھن کریائیں بھی کر کے دیکھیں۔ کُنڈلنی بھی سادھنے کا تین کیا۔ لیکن پانچ دُاکو کام کرودھ' لوبھ' موہ اور اہنکار سے پیچھا نہ چھُوٹا۔ پھر گورُو صاحب سمجھاتے ہیں۔

" مونی بھیو کرپاتی رہیو نگن پھریو بن ماہیں
نٹ تیرتھ سب دھرتی بھرمیو دُبدھا چھُٹکے ناہیں
من کامنا تیرتھ جائے بسیو سر کروَت دھرائے
من کی مَیل نہ اُترے ایہہ بِدھی جے لکھ جتن کرائے"

کہ بولنا بند کر کے چُپ بھی رہے۔ گھر بار چھوڑ کر جنگلوں پہاڑوں میں بھی گئے۔ کپڑا برتن وغیرہ بھی تیاگے اور صرف ہاتھوں کے ذریعہ کھایا اور پیا۔ سب دھرتی کے تیرتھ بھی گھُومے۔ ساری دھرتی کی پرکرما بھی کی۔ اور بھی ایسے ہی کتنے ہی مُشکل سادھن کئے۔ لیکن پھر بھی من کی مَیل نہ اُتری۔ من کو قابُو کرنے کے واسطے کاشی جا کر کروَت بھی لیا۔ یعنی آرے کے ذریعہ اپنے شریر کو چرا لیا۔ اِس قِسم کے اور بھی لاکھوں جتن کئے' لیکن من کی دُبدھا نہ گئی۔ سائیں بُلھے شاہ یہی پُکار پُکار کر کہتے ہیں۔

" نہ خُدا مسیتے لبھدا' نہ خُدا خانہ کعبے
نہ خُدا قرآن کیتاباں' نہ خُدا نمازے

نہ خُدا مَیں تیرتھ ڈِٹھا' اَیویں پَینڈے جھاگے
بُلھا شاہ جد مُرشد مِلیا ٹُٹے سب تَگادے"

من کے قابُو کرنے کا تو صرف ایک ہی علاج ہے۔ کہ اِس کو شبد یا نام کی لذت دی جائے۔ جیسے جیسے یہ شبد اور نام کی لذت حاصل کرے گا۔ وَیسے ہی اِس کا دُنیا کے اندر سے موہ اور پیار ٹُوٹنا شروع ہو جائے گا۔ شبد کی کشش اور لذّت اِس کو دُنیا سے الگ کر دے گی۔ سوامی جی مہاراج سمجھاتے ہیں۔

کوٹ جتن سے یہ نہیں مانے۔ دُھن سُن کر من سمجھائی

" جوگی جُگت کمادیں اپنی۔ گیانی گیان کرائی
تپسی تپ کر تھاک رہے ہیں جتی رہے جت لائی
دھیانی دھیان مانسی لادیں وُہ بھی دھوکھا کھائی
پنڈت پڑھ پڑھ وید تھکانیں۔ وِدیابل سب جائی
بُدھی چتُرتا کام نہ آوے عالم رہے پچھتائی
اور عمل کا دخل نہیں ہے۔ عمل شبد لولائی
گورُو مِلے جب دُھن کا بھیدی شِشیہ وِرہ دھرائی
سُرت شبد کی ہوئے کمائی۔ تب من کچھ ٹھہرائی"

ایک اور شبد میں سوامی جی مہاراج اُپدیش کرتے ہیں۔

" سوتا من کس جاگے بھائی۔ سو اُپائیں کرُوں بکھان
تیرتھ کرے برت بھی راکھے۔ وِدیا پڑھ کے ہوئے سُجان
جب تپ سنجم بہو بِدھی دھارے یوگی ہوتے بِدوان
اِس اُپاؤ ہم بہو تک کینہے۔ تو بھی یہ من جگا نہ آن
کھوجت کھوجت ستگورُو پائے۔ اُن یہ جُگت کہی پرمان
ست سنگ کرو سنت کو سیوو۔ تن من کرو قُربان
ستگورُو شبد سُنو گگنا چڑھ چیت لگاؤ اپنا دھیان
جاگت جاگت اب من جاگا۔ جھُوٹھا لگا جہان
من کی مدد ملی سُورت کو۔ دونوں اپنے محل سمان
بِنا شبد یہ من نہیں جاگے۔ کرو چاہے کوئی انیک وِدھان"

سوامی جی مہاراج ایک اور شبد میں اچھی طرح سمجھاتے ہیں۔

"جنہوں نے مار من ڈالا ۔ اُن ہی کو سُورما کہنا
بڑا بَیری یہ من گھٹ میں۔ اِس کا جیتنا کٹھنا
پرشوتم اِس ہی کے پیچھے۔ اور سب ہی جتن تجنا
گورُو کی پریت کر پہلے، بھوّر گھٹ شبد کو سُننا
مان دو بات یہ میری۔ کرے مت اور کچھ جتنا

گورُو نانک سمجھاتے ہیں۔

"سچّے نام سدا من سچّا ۔ سچ سیوے دُکھ گوا ونیا"

کہ صرف سچّے شبد اور سچّے نام کی کمائی کر کے ہی ہمارا من نِرمل، پوتر اور پاک ہو سکتا ہے۔ سچّے شبد کی کمائی کر کے ہی ہم چوراسی کے دُکھوں سے بچ سکتے ہیں۔ پھر آپ ایک اور بہت اچھی مثال دیتے ہیں:-

"گورمکھ گاڑُڑ جے سُنے منے ناؤں سنتوش"

کہ اگر کسی کو سانپ کاٹ لیتا ہے تو اُس کے علاج کے لئے، اُس کا زہر اُتارنے کے لئے، کسی ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔ اُس کی دوائی کے ذریعے سانپ کا زہر اُتر جاتا ہے اسی طرح اگر ہم من کے سانپ کی زہر اپنے اندر سے نکالنا چاہتے ہیں تو ہم کو گورمکھوں کے پاس جا کر اپنے خیال کو شبد اور نام کے ساتھ جوڑنا ہوگا۔ من کے قابو کرنے کا اور کوئی علاج یا طریقہ نہیں ہے۔ گورُو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"رام نام من بیدھیا اور کی کری وِچار"

کہ یہ ہمارا من جو وِشے وِکاروں و دُنیا کے موہ اور پیار میں پھنس کر ہرن کی طرح بھٹکتا پھرتا ہے، جس وقت یہ رام نام کے ساتھ جُڑ جاتا ہے، یہ ہمیشہ کے واسطے بندھ جاتا ہے۔ اور کوئی وِچار کرنا یا کوئی اور طریقہ اس من کے قابو کرنے کا بے فائدہ ہے۔ اِسی طرح سوامی جی مہاراج سمجھاتے ہیں۔

سُرت شبد کمائی کرنا ۔ سب جتن دُور اب دھرنا

سچا نام:-

کسی بھی مہاتما کی بانی کی ہم کھوج کریں، ہر ایک مہاتما شبد یا نام کی ہی مہما کرتا ہے۔ جتنے بھی ہمارے مذہب ہیں، ہر ایک کے رسم و رواج یا شریعت اپنی اپنی الگ الگ ہے لیکن جو اصل رُوحانیت ہے۔ سچ کا سار (ESSENCE OF TRUTH) ہے۔ رُوحانیت کی بُنیاد (BASE OF SPIRITUALITY) ہے، وُہ ہر ایک مذہب کی تہہ کے اندر ایک ہی ہے اور ہر ایک مہاتما ہمارے اندر صرف اِس رُوحانیت کو ہی حاصل کرنے کا شوق و پیار پیدا کرتا ہے، طریقہ و سادھن سمجھاتا ہے۔ اِس رُوحانیت کو مختلف مہاتماؤں نے مختلف قوموں، مذہبوں اور مُلکوں کے

اندر آ کر مختلف وقتوں کے اندر، مختلف لفظوں کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ رِشی مُنی اِس کو رام نام، رام دُھن، نِرمل ناد، دِبیہ دُھن یا کئی اور لفظوں سے یاد کرتے ہیں۔ گورُو نانک صاحب اِس کو عام طور پر "شبد" یا "نام" کے ذریعے یاد کرتے ہیں۔ اور اسی کو "گوربانی"، "دُھر کی بانی"، "سچی بانی"، "امر"، "حکم"، "اکتھ کتھا"، "ہری کیرتن"، اور "نِرمل ناد" کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ مُسلمان فقیر اِس کو کلمہ، اِسمِ اعظم، "بانگِ سُلطانی"، "کلامِ الٰہی" یا "سُلطانُ الاذکار" کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ کرائسٹ نے اِس کو شبد (WORD) یا نام (LOGOS) کہہ کر بیان کیا ہے۔ رِگ وید میں اِس کو "واک" کہا ہے۔

"یاوت برہم شریشٹھم تاوتی واک"

یعنی شبد اتنا مہان ہے، جیسا کہ "برہم"۔ ست پتھ براہمن میں درج ہے۔

"واک ایو برہم"

یعنی شبد ہی برہم ہے۔ ہمیں لفظوں کے ساتھ کوئی بحث نہیں۔ ہم نے تو اُس رُوحانیت کی کھوج کرنی ہے، جس کی ہر مہاتما مہما کرتا ہے اور جس کو پا کر ہمارا من بندھ جاتا ہے، قابو آ جاتا ہے اور واپس جا کر اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتا ہے۔ جتنا عرصہ ہمیں یہ سمجھ نہ آئے کہ مہاتما "شبد"، "نام"، "واک"، یا "بانی" کس کو کہتے ہیں اور وُہ کس جگہ ہے اور کس طرح ہم نے اُس کے ساتھ خیال جوڑنا ہے اور اُس کی ہم کو کیا ضرورت ہے، اُتنا عرصہ ہم بے شک کسی بھی مہاتما کی بانی یا گرنتھ پوتھی پڑھتے رہیں ہم کبھی بھی اُس سے پُورا پُورا فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

مہاتماؤں کی بانی میں جگہ جگہ سچّے شبد، سچّے نام یا سچّی بانی کا ذکر آتا ہے۔ گورُو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"سچّے شبد سچّی پت ہوئی"

اِس سے من میں یہ ضرور خیال آتا ہے کہ شاید اور بھی کوئی بانی یا شبد یا نام ایسا ہے جو سچّا نہیں ہے۔ سچّے شبد کا مطلب اُس بانی سے یا اُس شبد یا نام سے ہے، جو کبھی ناش نہیں ہوتا، کبھی فنا نہیں ہوتا۔ مہاتما اُپدیش کرتے ہیں کہ شبد یا نام دو قسم کا ہے ایک وَرن آتمک شبد ہے۔ دُوسرا دُھن آتمک شبد ہے۔ وَرن آتمک شبد ہم اُس کہتے ہیں جو ہمارے لکھنے پڑھنے اور بولنے میں آ جاتا ہے۔ یہ جتنے بھی ہم نے اپنے اپنے پیار میں آ کر اُس پرماتما کے نام رکھے ہوتے ہیں۔ اللہ، واہگورو، رادھا سوامی، ہری اوم، پرماتما، پرمیشور وغیرہ یہ سب ہمارے وَرن آتمک شبد ہیں۔ کیونکہ یہ لکھنے پڑھنے اور بولنے میں آ جاتے ہیں۔ پہلے ہمارے کئی مُلک ہیں۔ ہر ملک کے اندر کئی کئی اُس کی زبانیں ہیں۔ اور ایک ایک زبان کے اندر ہم کتنے ہی لفظوں کے ذریعہ اُس پرماتما کو یاد

صرف اُس سچّے نام کی ہی مہما کرتے ہیں۔ وُہ سچّا نام نہ لکھنے میں آتا ہے نہ پڑھنے میں نہ بولنے میں۔ اُس کو حضور مہاراج جی (UNWRITTEN LAW & UNSPOKEN LANGUAGE) بنا لکھا قانُون اور ان بول بانی کہہ کر سمجھایا کرتے تھے۔ کرائسٹ نے بھی اُسی نام کا اِشارہ بائیبل میں کیا ہے۔ وُہ کہتا ہے۔

"کہ وُہ دیکھتے ہُوئے نہیں دیکھتے اور سُنتے ہوتے نہیں سُنتے"

(متی ۱۳ : ۱۳)

اِسی طرح اُس نام کی گورُو نانک صاحب مہما کرتے ہیں۔

"اکھی باجھوں وکھنا وِن کنّا سُننا
پیراں باجھوں چلنا وِن ہتھاں کرنا
جیبھے باجھوں بولنا اِیُوں جیوت مرنا
نانک حُکم پچھان کے تو کھسمے مِلنا"

اُس شبد کو نہ تو باہر کی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں، نہ کان سُن سکتے ہیں، نہ اُس جگہ ہمارے یہ پاؤں ہمیں لے کر پہنچ سکتے ہیں، نہ وُہ چیز اِن ہاتھوں سے پکڑی جا سکتی ہے۔ اُس چیز کو حاصل کرنے کے واسطے اور اُس کو حاصل کر کے اپنے پرماتما کو مِلنے کے لئے ہمیں جیتے جی مرنا پڑتا ہے۔ یہ جتنے بھی ہمارے لفظ ہیں، یہ ہمارے ذریعے ہیں۔ اور وُہ ہمارا اصل اور لکھش ہے۔ اِن لفظوں کے پیار میں اُلجھ کر ہمیں کوئی قوم، مذہب اور مُلک کے جھگڑے نہیں کھڑے کرنے۔ بلکہ اِن کے ذریعہ اُس سچّے شبد اور سچّے نام کی کھوج کرنی ہے۔ لیکن ہم دُنیا میں کیا دیکھتے ہیں۔ کوئی پرماتما کو واہگورُو کہہ کر یاد کرتا ہے، وُہ اپنے آپ کو سکھ سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ کوئی اللہ کہہ کر پکارتا ہے، وُہ مسلمان بن جاتا ہے، کوئی رام کہتا ہے، وُہ ہندو کہلانا شروع کر دیتا ہے۔ اور ہم کو ایک دُوسرے سے مِلنا جُلنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ ہم اِس چیز کے متعلّق کبھی نہیں سوچتے کہ یہ ہمارے لفظ ہمارے خیال کو کس طرف لے جاتے ہیں۔ اگر آج ہمارا خیال اُس سچّے شبد سے جُڑ جاتا ہے تو دُنیا کے سب جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ مَیں پیچھے عرض کر آیا ہوں کہ ہماری نہ کوئی قوم ہے، نہ مذہب ہے، نہ مُلک ہے۔ یہ جھگڑے اُتنا عرصہ تک ہیں، جب تک ہم سچّے شبد کو بھُولے بیٹھے ہیں اور اِن لفظوں سے پیار لگائے بیٹھے ہیں۔ ہر ایک مہاتما ہمیں اِن لفظوں کے بھرموں سے نکال کر اُس سچّے شبد سے جوڑنے کے واسطے آتا ہے۔ جس طرح ماتا اپنے پیار میں آکر اپنے بیٹے کو کئی لفظوں سے یاد کرتی ہے۔ لیکن ماتا کا جو بیٹے سے رشتہ ہے وُہ کوئی لفظوں کا رشتہ نہیں، بلکہ پیار کا رشتہ ہے۔ یہ لفظ تو صرف ماتا کے پیار کو ہی ظاہر کرتے ہیں، بیان کرتے ہیں۔ وُہ پیار بذاتِ خُود کوئی اور چیز ہے اور یہ

کرتے ہیں۔ ہزاروں، انیکوں مہاتما دُنیا کے اندر آتے ہیں اور ہزاروں، انیکوں ہی ابھی دُنیا میں آئیں گے۔ اُنھوں نے ہزاروں اور انیکوں لفظوں کے ذریعہ اُس پرماتما کو یاد کیا ہے اور ہزاروں اور انیکوں ہی لفظوں کے ذریعہ ابھی یاد کریں گے۔ پچھلے رکھے ہوئے نام اُس پرماتما کے ہم بھُولتے جاتے ہیں۔ اور اپنے پیار میں آکر کئی اور نام رکھتے چلے جا رہے ہیں۔ ہر ایک نام کی ہم ہسٹری بتلا سکتے ہیں، یا اُس کی تحقیقات کر سکتے ہیں اور اُس کی میعاد مُقرّر کر سکتے ہیں۔ شری حضور سوامی جی مہاراج کو آئے صرف ایک سَو سال ہوئے ہیں۔ اُن کے آنے کے بعد ہم نے اُس مالک کو "رادھا سوامی" کہنا شروع کر دیا۔ لیکن اِس چیز کے متعلق ہم کبھی خیال ہی نہیں کرتے کہ سوامی جی مہاراج کے آنے سے پہلے بھی ہم دُنیا کے جیو ہیں تھے، اور وہی مالک تھا اور ہم کئی اور لفظوں سے اُس مالک کو یاد کرتے ہی تھے۔ اِسی طرح شری گورُو نانک دیو جی کے آنے کے بعد ہم نے اُس پرماتما کو "واہگورُو" کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔ لیکن آپ کو بھی آئے صرف پانچ سو سال ہوتے ہیں۔ محمد صاحب کے آنے کے بعد ہم اُس مالک کو "اللہ" کہہ کر یاد کرنے لگے۔ اُن کو بھی آئے زیادہ عرصہ نہیں صرف چَودہ سو سال ہوتے ہیں۔ اور اِسی طرح رام چندر جی مہاراج کے آنے کے بعد اُس مالک کو ہم "رام رام" کہہ کر پکارنے لگے۔ آپ کو آئے شاید اِس سے بھی بہت زیادہ عرصہ ہوا ہوگا۔ غرضیکہ ہر ایک لفظ کی تاریخ بتائی جا سکتی ہے اور میعاد مُقرّر کی جا سکتی ہے۔ یہ جو ورن آتمک شبد ہیں۔ یہ بھی چار قسم کے ہیں۔ بیکھری، مدھیما، پشینتی اور پرا۔ ایک وُہ جو زبان سے بولا جاتا ہے۔ جس طرح ہم ایک دوسرے سے ہر روز بات چیت کرتے ہیں۔ دُوسرا وہ جو کنٹھ میں آہستہ آہستہ بولتے ہیں۔ تیسرا ہردے میں اور چوتھا وہ جو نابھی میں یوگی جن ہلورا اُٹھاتے ہیں۔ یہ سارے ہی شبد ورن آتمک ہیں۔ اور اِن میں کوئی سچّا نام نہیں۔ سوامی جی مہاراج اپنی بانی میں فرماتے ہیں۔

"نام نِرنے کرُوں بھائی ۔ دُھناوِدھی بھید بتلائی
ورن دُھن آتمک گاؤں ۔ دوؤ کا بھید درساؤں
ورن کہو چار ہے کہو اکھشر ۔ جو بولا جاتے رسنا کر
لکھین اور پڑھن میں آیا ۔ اُسے ورن آتمک گایا"

جو نام لکھنے پڑھنے اور بولنے میں آتا ہے، جس کی میعاد مُقرّر کی جا سکتی ہے اور تاریخ بتلائی جا سکتی ہے۔ اُس کو مہاتما ورن آتمک شبد کہتے ہیں۔ جس نام کی ہر ایک مہاتما مہما کرتا ہے اور جس نام کی کمائی سے ہم نے مکتی حاصل کرنی ہے، من کو قابو کرنا ہے اور رُوح اور من کی گانٹھ کھولنی ہے اور اپنے آپ کو پہچان کر مالک کو پہچاننے کے قابل بننا ہے وُہ دُھن آتمک نام سچّا نام ہے۔ مہاتما

لفظ کوئی اور چیز ہیں۔ اسی طرح مالک کے بھگتوں اور پیاروں نے کئی لفظوں سے اُس پرماتما کو یاد کیا ہے۔ اصل میں اُس مالک کا کوئی بھی نام نہیں ہے۔ جیسا کہ کہا ہے۔

"بنامِ آں کہ اُو نامے ندارد
بہر نامے کہ خوانی سر برآرد"

یعنی اُس کے نام سے شروع کرتا ہوں، جس کا کوئی نام نہیں۔ جس نام سے بلاؤ، وہ جواب دیتا ہے۔ یہ لفظ تو مالک کے بھگتوں اور پیاروں کے پیار کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ جو لفظ ہیں یہ سب ورن آتمک شبد ہیں۔ جو آتما کا پرماتما سے پیار ہے، وہ سچا شبد اور سچا نام ہے۔ اُس سچے شبد اور سچے نام کی ہسٹری نہیں بتلائی جا سکتی، نہ ہی کوئی اُس کی میعاد مقرر کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اُس سچے شبد نے دُنیا کی رچنا پیدا کی ہے۔ اُس کے آدھار پر ہمارے کھنڈ برہمنڈ چل رہے ہیں۔ اور ہم سب کو اُس کا ہی آسرا ہے۔ گورو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"اُتپت پرلے سبدے ہووے
سبدے ہی پھر اوپت ہووے"

شبد نے ہی اِس دُنیا کی رچنا پیدا کی ہے۔ اور جس دِن پرماتما اُس شبد کی طاقت کو اِس دُنیا سے کھینچ لے گا، یہاں پرلے اور مہاپرلے ہو جائے گی۔ یہ جتنی بھی دُنیا کی رچنا ہے، تمام پانچ تتوّوں کی بنی ہوئی ہے۔ یعنی پرتھوی، پانی، اگنی، ہوا اور آکاش۔ ہر ایک چیز کے اندر کوئی نہ کوئی تتّو موجود ہے۔ اور یہ پانچوں ہی تتّو ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ لیکن شبد کے کارن اور آسرے ہی یہ ایک دوسرے کا ساتھ دے رہے ہیں۔ جس دِن پرماتما اُس شبد کی طاقت کو دُنیا سے نِکال لیتا ہے، پرتھوی پانی میں گھل جاتی ہے، پانی کو اگنی خشک کر دیتی ہے۔ اگنی کو ہوا اُڑا لے جاتی ہے، اور ہوا کو آکاش کھا جاتا ہے اور اِس ساری دُنیا کے اندر دھندو کار چھا جاتا ہے۔ مِثال کے طور پر ہمارا یہ شریر پانچ تتّوں کا پُتلا ہے۔ جتنا عرصہ اُس شبد کی کرن ہمارے اندر ہے، ہم دُنیا میں کس طرح دوڑتے پھرتے ہیں۔ جس دِن اُس شبد کی کرن یا آتما کو پرماتما جسم سے نِکال لیتا ہے، ہمارا سارا شریر یعنی یہ پانچوں تتّو بے کار ہو جاتے ہیں۔ اور یہ پانچ تتّو پانچ تتّوں میں ہی جا کر مل جاتے ہیں۔ اور ہماری ہستی ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح مہاتما سمجھاتے ہیں کہ اُس شبد کے ہی آدھار پر ساری دُنیا چل رہی ہے۔ گورو ارجن دیو جی فرماتے ہیں۔

"نام کے دھارے سگلے جنت ۔ نام کے دھارے کھنڈ برہمنڈ
نام کے دھارے آکاس پاتال ۔ نام کے دھارے سگل آکار"

اِسی طرح گورو امرداس جی لکھتے ہیں۔

"نامے ہی تے سب کچھ ہوآ"

کہ جو کچھ بھی ہم دُنیا کے اندر دیکھتے ہیں۔ نام نے ہی پیدا کیا ہے۔

"یوحنا" نے بھی بائیبل کے اندر لکھا ہے۔

"آدی میں شبد تھا اور شبد پرمیشور کے ساتھ تھا۔ یہی آدی میں پرمیشور کے ساتھ تھا۔ سب کچھ اُسی کے دوارا اُتپن ہُوا۔ اور جو کچھ اُتپن ہُوا ہے اُس میں سے کوئی بھی وستو اُس کے بِنا اُتپن نہیں ہوئی۔ (یوحنا ۱: ۱، ۲، ۳)

رشی مُنی بھی ویدوں شاستروں میں یہی ذکر کرتے ہیں کہ پرماتما نے آکاش بانی کے ذریعے دُنیا کی رچنا کی ہے۔ قرآن شریف کے اندر بھی آیا ہے۔ کہ اُس کلمے یا کُن کے ذریعہ مالک نے دُنیا پیدا کی۔ چین کی فلاسفی میں بھی یہی ذکر ہے۔ کہ تاؤ (TAO) نے دُنیا کی رچنا پیدا کی۔ گورو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

"شبدے دھرتی شبدے آکاش ۔ شبدے شبد بھیا پرگاس
سگلی سرشٹ شبد کے پاچھے نانک شبد گھٹے گھٹ آچھے"

شمس تبریز بھی کہتے ہیں۔

"عالم از صوتِ ایں ظہور گرفت
از حضورش بساطِ نور گرفت"

ہم خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس طاقت نے دُنیا کی رچنا کی ہو، اُس کی ہم کیا ہسٹری بیان کر سکتے ہیں، کیا وقت اور میعاد مقرر کر سکتے ہیں۔ اُسکا وقت اور میعاد ہو ہی کیا سکتی ہے۔ ہمیں مکتی حاصل کرنے کے لئے اُس سچے شبد کی ضرورت ہے۔ وہ سچا شبد پرماتما نے ہم سب اِنسانوں کے اندر رکھا ہُوا ہے۔ جتنا عرصہ ہم اپنے شریر اور دیہہ کے اندر اُس کی کھوج کر کے اپنے خیال کو اُس سچے شبد سے نہیں جوڑتے، ہم اپنے آپ کو اُس میں جذب اور لِولین نہیں کرتے، ہم کبھی بھی مکتی حاصل نہیں کر سکتے۔ گورو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

"سچے شبد سچی پت ہوئی ۔ بِن نامے مکت نہ پاوے کوئی"

بسری پادشاہی گورو امرداس جی فرماتے ہیں۔

"شبد نہ جانیں سے انّھے بولے سے کِت آئے سنسارا"

پھر اور جگہ فرماتے ہیں۔

"بِن سبدے انتر آنہیرا۔ نہ وست لہے نہ چوکے پھیرا"

جتنا عرصہ ہم اُس شبد کی کھوج نہیں کریں گے، ہمارے اندر سے اگیانتا کا اندھیرا کبھی دور نہیں

ہو سکتا۔ نہ پرماتما ہی مل سکتا ہے اور نہ کبھی دیہہ کے بندھنوں سے چھٹکارا حاصل ہو سکتا ہے۔

"سبد مرے سوئی جن پورا ۔ ستگورو آکھ سُناتے سورا"

حضرت عیسیٰ مسیح بھی بائبل میں کہتے ہیں۔

"یدی تم میرے وچن میں بنے رہو گے، تو سچ مچ میرے چیلے ٹھہرو گے
اور ستیہ کو جانو گے اور ستیہ تمہیں سوتنتر کریگا (یوحنا ۸: ۳۱، ۳۲)

آگے وہ پھر کہتا ہے۔ کہ اُس شبد کی کمائی کے بغیر کوئی مالک کی اور بھگتی ہی نہیں۔

"یوحنا" بائبل کے اندر لکھتا ہے۔

"پرمیشور آتما ہے اور اوشیہ ہے کہ اُس کے بھجن کرنے والے آتما
اور سچائی سے بھجن کریں۔" (یوحنا ۴: ۲۴)

کبیر صاحب سمجھاتے ہیں۔

"جب ہی نام ہردے دھریو بھیو پاپ کا ناش
جیسے چنگی آگ کی پڑی پُرانی گھاس"

جس وقت ہمارے ہردے کے اندر نام پرگٹ ہو جاتا ہے، ہمارے سارے کرموں کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، جن کرموں کی وجہ سے ہم دیہہ کے بندھنوں میں پھنسے ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک خشک گھاس کا ڈھیر خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، آگ کی ایک چنگاری اِس ڈھیر کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ اِسی طرح ہمارے ساکت پُرشوں کے کتنے بھی بڑے اور کھوٹے پاپ کیوں نہ ہوں، یہ نام کی کمائی ہمارے سارے کرموں کا حساب ختم کر دیتی ہے۔ دریا صاحب فرماتے ہیں۔

"دریا سمرے رام کو کرم بھرم سب کھوئے
پورا گورو سر پر تپے بگھن نہ لاگے کوئے"

ایسے ہی گورو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"آن آن سمدھا بہو کینی پل بیسنتر بھسم کریجے
مہا اُگر پاپ ساکت نر کینے مل سادھو لوکی دیجے"

سوامی جی کہتے ہیں۔

"شبد کرم کی ریکھ کٹا دے ـــ شبد شبد سے جائے ملا دے"

حضرت عیسیٰ مسیح بھی بائبل میں کہتے ہیں۔

"تم تو اُس وچن کے کارن جو میں نے تم سے کہا ہے، شدھ ہو۔
(یوحنا ۱۵: ۳)

کبیر صاحب تو نام کی یہاں تک مہما کرتے ہیں۔

"نام جپت کوڑھی بھلا چوئے پڑے جس چام
کنچن دیہہ کس کام کی جا مکھ ناہیں نام"

کہ اگر کوئی کوڑھی بھی ہے، جس کے جسم سے پانی بہہ رہا ہے، اگر اُس کا خیال اندر شبد یا نام سے جڑا ہوا ہے تو وہ اُس شخص سے بدرجہا بہتر ہے، جو سب دُنیا کے عیش و آرام لئے بیٹھا ہے مگر پرماتما کو بھولے ہوئے ہے۔

جس سچے نام کی مہاتما اتنی مہما کرتے ہیں، وہ نام کہیں باہر نہیں ہے۔ ہمارے شریر اور دیہہ کے اندر ہے۔ گورو امرداس صاحب سمجھاتے ہیں۔

"شریروں بھالن کو باہر جائے
نام نہ لہے بہت ویگار دُکھ پائے"

جو شریر اور دیہہ کے باہر اُس نام کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بیگاریوں کی طرح اپنے قیمتی وقت کو خراب کرتے ہیں۔ بیگاری سارا دن محنت بھی کرتا ہے، ٹوٹ ٹوٹ کر مرتا ہے، اپنا خون پسینہ ایک کرتا ہے، لیکن آخر میں اُس کے ہاتھ پلے کچھ بھی نہیں پڑتا ہے۔ اگر کوئی چیز ہمارے گھر کے اندر ہے تو ہم کو باہر کھوجنے سے کیسے مل سکتی ہے۔

سمرن اور دھیان

ہمارا روحانی سفر پیروں کے تلووں سے لے کر سر کی چوٹی تک ہے اور اِس سفر کی دو منزلیں ہیں۔ ایک آنکھ ، ایک ہے اور دوسری آنکھوں کے اُوپر ہے۔ ہمارے جسم کے اندر من اور روح کی جو جگہ ہے، وہ ہماری آنکھوں کے پیچھے ہے۔ جس کو مسلمان فقیروں نے نقطۂ سویدا کہہ کر بیان کیا ہے، حضرت عیسیٰ (CHRIST) نے جسے گھر کا دروازہ کہہ کر سمجھایا ہے۔ رشیوں منیوں نے اُس کو شو نیتر یا دویہ چکشو کہہ کر بیان کیا ہے۔ گورو نانک صاحب اُس کو تل یا تیسرا تل کہتے ہیں۔ اگر ہم کو کوئی بات بھول جاوے اور اُس کو یاد کرنا ہو تو ہمارا ہاتھ خود بخود قدرتی طور پر ماتھے پر ٹِک جاتا ہے۔ کبھی بھی ہم کسی بھولی ہوئی چیز کو یاد کرنے کے لئے لاتوں پیروں پر ہاتھ نہیں ٹکاتے۔ آنکھوں کے درمیان پیچھے کی جگہ کا ہمارے سوچنے سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ ہر ایک کا خیال یہاں سے اُتر کر نو دواروں کے ذریعہ تمام دُنیا کے اندر پھیل جاتا ہے۔ گورو رام داس صاحب فرماتے ہیں۔

"من کھن کھن بھرم بھرم بہو دھاوے۔ تل گھر نہیں واسا پائیے"

اور

"گوُر انکس سبد دارُو بر دھار یو گھر مندر آن وساتے"

کہ ہمارا خیال تیسرے تل سے اُتر کر منٹ منٹ ساری دُنیا میں پھیلتا جاتا ہے۔ اور من ایک کھشن کے لئے بھی آنکھوں کے پیچھے نہیں ٹکتا۔ اور جتنا عرصہ یہ آنکھوں کے پیچھے نہیں ٹکتا، اُتنا عرصہ یہ من اپنے گھر ترکُٹی میں جا کر نہیں سما سکتا۔

ہمارے شریر میں نَو دروازے کون سے ہیں؟ دو آنکھیں، دو کان کے سُوراخ، دو ناک کے سُوراخ منہ اور نیچے دو اِندریوں کے سُوراخ ہیں۔ اِن نَو دواروں کے ذریعہ ہمارا خیال ساری دُنیا میں پھیلتا ہے۔ کتنی ہی اندھیری کوٹھڑی کے اندر جا کر کیوں نہ بیٹھ جائیں، کتنے ہی تالے کیوں نہ باہر لگے ہوں، ہمارا من وہاں نہیں ہوگا۔ ساری دُنیا میں باہر پھیلا ہُوا ہوگا۔ یہ جو ہمارے من کو دلیلیں کرنے کی اور سوچنے کی عادت پڑی ہُوئی ہے، اِس کو مہاتما سِمرن کرنا کہتے ہیں۔ سِمرن کرنے کی ہر ایک منُش کو قُدرتی عادت پڑ چکی ہے۔ اور جس کے مُتعلق ہم سِمرن کرتے ہیں، اُس کی شکل بھی ہماری آنکھوں کے آگے آ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اگر بچّوں کا سِمرن کرتے ہیں، یعنی اُن کی یاد آتی ہے، تو بچّوں کی شکلیں آنکھوں کے آگے پھِرنی شُروع ہو جاتی ہیں۔ اگر گھر کے کاروبار کے مُتعلق خیال آتا ہے گھر کے کاروبار آنکھوں کے آگے پھِرنے شُروع ہو جاتے ہیں۔ اِس کو مہاتما دھیان کرنا کہتے ہیں۔ اب جس کا ہم سِمرن کرتے ہیں، اُس کا ہی ہم دھیان کرنا شُروع کر دیتے ہیں۔ جن جن شکلوں اور پدارتھوں کا سِمرن اور دھیان پکتا جاتا ہے، اُن کے ساتھ ہمارا موہ اور پیار پَیدا ہو جاتا ہے۔ سِمرن اور دھیان کے ذریعہ ہم اُن کے ساتھ اِتنا لگاؤ اور پیار پَیدا کر لیتے ہیں اور من کا اِتنا لگاؤ اور موہ ہو جاتا ہے کہ ہمیں خواب بھی اُن کے ہی آنے شُروع ہو جاتے ہیں۔ اور موت کے وقت اُن کا ہی خیال ہماری آنکھوں کے آگے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور جس طرف بھی ہمارا موت کے وقت خیال ہوتا ہے اُسی رَو میں بہنا شُروع کر دیتے ہیں۔ وُہ لگاؤ اور پیار ہمیں اُسی جگہ لے جاتا ہے۔

اب مہاتما ہم کو سمجھاتے ہیں کہ سِمرن اور دھیان کی ہم کو قُدرتی عادت پڑی ہُوئی ہے۔ اِس واسطے وُہ ہم کو اُپدیش کرتے ہیں کہ اِس قُدرتی عادت سے فائدہ اُٹھاؤ۔ کیونکہ سِمرن سِمرن کو کاٹیگا اور دھیان دھیان کو نکالے گا۔ پالے کی ماری ہوئی کھیتی پانی سے ہی ہری بھری ہوتی ہے۔ دُنیا کی ناشوان اور فنا چیزوں کا سِمرن کر کے ہم اُن سے موہ اور پیار ڈالے بیٹھے ہیں۔ اُن میں سے کسی نے ہمارا ساتھ نہیں دینا۔ اُن کا موہ اور پیار ہمیں بار بار دیہہ کے بندھنوں کی طرف لے آتا ہے۔ اگر ہم اُس مالک کے نام کا سِمرن اور دھیان کریں، جو کبھی فناہ نہیں ہوتا، جس پرماتما کی ہماری آتما انش ہے، جس پرماتما کے اندر جا کر ہماری آتما سمانا چاہتی ہے تو ہمیشہ کے لئے ہم اِن سنساری بندھنوں سے چھوٹ جائیں۔ گورُو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"نہچل ایک آپ ابناسی ۔ سو نہچل جو تِسے دھیائیندا"

کہ وُہ پرماتما نہچل ہے۔ کبھی پیدائش اور موت کے دُکھوں میں نہیں آتا اور جو اُسکا دھیان کرتے ہیں اُس سے پیار کرتے ہیں اُسکا سِمرن کرتے ہیں وُہ بھی نہچل ہو جاتے ہیں۔ اُنکا بھی پیدائش اور موت کے دُکھوں سے چھُٹکارا ہو جاتا ہے۔

ہمیں آنکھ کے پیچھے اپنے خیال کو ٹکا کر اُس مالک کے نام کا سِمرن کر کے پھر اپنے پھیلے ہوئے خیال کو واپس اُلٹا کر آنکھوں کے پیچھے یکسُو یا ایکاگر کرنا ہے۔ یہ اِتنا سادہ اور آسان طریقہ ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے بچّے سے لے کر بڑے سے بڑے بُوڑھے تک اِس کو آسانی سے کر سکتے ہیں۔ کیونکہ سِمرن کرنے کی عادت تو قُدرتی ہی سب کو پڑی ہوئی ہے۔ ہم نے صِرف دُنیا کا سِمرن کرنے کی عادت کا فائدہ اُٹھا کر اُس مالک کے نام کے سِمرن میں من کو لگانا ہے۔ جس وقت سِمرن کے ذریعہ ہمارا خیال اُلٹ کر آنکھوں کی طرف اِکٹھا ہوتا ہے، تو من اُس جگہ ٹکتا اور ٹھہرتا نہیں ہے۔ کیونکہ اُس کو بار بار نو دواروں کے ذریعہ باہر دوڑنے کی عادت پڑی ہُوئی ہے۔ اندھیرے میں، خلا میں من کو کھڑا کرنا بڑا مُشکل سا ہو جاتا ہے۔ جتنا عرصہ اُس جگہ کسی کے سَروپ کا دھیان من کو نہیں دیتے، اُس کو وہاں ٹھہرانے والی کوئی چیز نہیں ملتی، ہمارے خیال کے لئے وہاں ٹھہرنا بہت مُشکل ہو جاتا ہے۔ اِس واسطے مہاتما سمجھاتے ہیں کہ من کو وہاں کھڑا کرنے کے واسطے کسی نہ کسی کے سَروپ کا دھیان دینا بڑا لازمی ہے۔

کس کے سَروپ کا دھیان دینا چاہیئے؟ یہ بڑی سوچ اور وِچار کرنے والی بات ہے۔ کیونکہ جس کے بھی سَروپ کا دھیان کریں گے یہ قُدرتی ہے کہ ہمارا اُس کے ساتھ موہ اور پیار پَیدا ہو جاویگا۔ اور جس جگہ وہ جاوے گا، ہم بھی اُس کے موہ اور پیار کے بندھے ہوئے وہیں جائیں گے۔ اِس چیز پر سوچ اور غور کرنے کے واسطے ہم ساری دُنیا کو اپنی آنکھوں کے آگے رکھ کر اچھی طرح پرکھ کر کے سوچتے ہیں کہ کون سی چیز ہمارے دھیان کے قابل ہو سکتی ہے۔

جتنی بھی دُنیا کی چیزیں بنی ہُوئی ہیں یہ سب پانچ تتّوں کی بنی ہوئی ہیں۔ ہر ایک چیز کے اندر کوئی نہ کوئی تتّو موجُود ہے۔ اِنسان کے اندر پانچ تتّو موجود ہیں۔ اس واسطے مہاتما ہمیں اشرفُ المخلوقات یا پانچ تتّو کا پُتلا کہہ کر بیان کرتے ہیں۔ پہلی جماعت وُہ ہے، جس میں پانی کا تتّو ہے۔ یہ ہمارے سب پھُول، درخت سبزیات وغیرہ ہیں۔ اگر ہم پانچ تتّو کے پُتلے ہو کر درختوں، پودوں وغیرہ کا دھیان کریں گے تو ہم ترقی نہیں کر سکتے کیونکہ اُن کا دھیان ہمیں اُن ہی کے جامے میں یعنی درختوں وغیرہ کے جامہ میں لے جائے گا۔ اِس واسطے تمام عالم نباتات (PLANT KINGDOM) ہمارے دھیان کے قابل نہیں ہے۔ دُوسری جماعت زمین کے اندر زہریلے کیڑے مکوڑے، سانپ، بچھو وغیرہ ہیں۔ جن کے اندر دو تتّو پرتھوی اور اگنی کے موجُود ہیں۔ اِس واسطے یہ بھی ہمارے دھیان کے قابل نہیں ہو سکتے۔ تیسری جماعت پرندوں کی ہے، جن میں تین تتّو ہیں، یعنی ہوا پانی اور اگنی۔ اگر ہم پانچ تتّو کے اِنسان ہو کر

گِرِڑ، مور، چڑیوں وغیرہ کا دھیان کریں گے تو ہم اُن پرندوں ہی کے جامہ میں آجادیں گے۔ ہمارا مقصد تو انسان کے جامے سے بھی اُوپر جانے کا ہے۔ اِس واسطے یہ جماعت بھی ہمارے دھیان کے قابل نہیں ہے۔ چوتھی جماعت چوپائے جانوروں کی ہے، جن کے اندر بُدھی یا آکاش نہیں ہے، باقی چار تتو موجود ہیں۔ اِس واسطے گائے، بیل گھوڑے وغیرہ بھی ہمارے دھیان کے قابل نہیں۔ پانچویں جماعت اِنسانوں کی خود ہے اور ہر انسان میں وہی پانچ تتو موجود ہیں۔ اس واسطے قدرتی طور پر من میں یہ خیال آتا ہے کہ اِنسان اِنسان کا دھیان دھرے تو کیوں دھرے۔ خاص کر آج کل کے زمانے میں جبکہ ہمارے سب کے یکساں حقوق ہیں۔

اب اِنسان اِنسان کا دھیان نہیں دھرتا، دیوی دیوتا کسی نے آج تک دیکھے نہیں، مالک کے سرُوپ کا پتہ نہیں، اِس مقام پر آکر بہت سے لوگ تو خدا کی ہستی سے ہی مُنکر ہو بیٹھتے ہیں۔ اور باقی سب بھی اِس اُلجھن میں پھنس جاتے ہیں کہ اب کون سی چیز ہمارے دھیان کے قابل ہو سکتی ہے۔ مہاتما ایک بہت اچھی مِثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ اگر ایک کمرے کے اندر بہت سارے ریڈیو رکھ دیں، جن کا تعلق کسی بیٹری یا بجلی سے نہ ہو، تو ہم کبھی کسی مُلک کی خبریں نہیں سُن سکتے۔ اگر اُن کا تعلق کسی بیٹری یا بجلی سے ہو جائے تو ہم جس مُلک سے چاہیں، خبریں سُن سکتے۔ اِسی طرح ہم نے اُن مالک کے بھگتوں اور پیاروں کی کھوج کرنی ہے، جن کا تعلق اُس کے ساتھ جُڑا ہُوا ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے اپنی بھگتی اور پیار کے بندھے ہوئے واپس جا کر اُس ہی پرماتما کے ساتھ مِل جانا ہے۔ ہم بھی اُن کے سرُوپ کا دھیان کر کے اُن کے ساتھ پیار لگا کر واپس اُسی پرماتما کے اندر سما جائیں گے، گورُو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

"گورُو کی مُورت من میں دھیان"

اور

"اکال مُورت ہے سادھ سنتن کی، ٹھاہر نیکی دھیان کو"

یعنی گورمکھوں کے تصوّر کو ہمیشہ من میں رکھو۔ یہی سوامی جی مہاراج کا اُپدیش ہے۔

"گورُو کا دھیان کر پیارے۔ بِنا اِس کے نہیں چھُٹنا"

کرائسٹ بھی اِسی کی طرف اِشارہ کرتا ہے، جب وُہ کہتا ہے کہ "مَیں نے اُس پرماتما کو دیکھا ہے تُم نے مُجھے دیکھا ہے۔ اِس لئے تُم نے بھی اُس پرماتما کو دیکھا ہے۔ اور جو مُجھ کو دیکھتا ہے وُہ میرے بھیجنے والے کو دیکھتا ہے۔ (یُوحنا ۱۲: ۴۵)

یعنی ستگورُو کے سرُوپ کے دھیان کے ذریعہ ہی ہم واپس جا کر اُس پرماتما میں سمائیں گے۔ دھیان کے ذریعہ ہمارے خیال کو آنکھوں کے پیچھے ٹھہرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ دھیان ہم کو اپنے ستگورُو

کا کرنا ہے، جنہوں نے مالِک کی بھگتی کا طریقہ اور راستہ ہم کو بتلایا ہے۔

جس وقت دھیان کے ذریعہ ہمارا خیال ایکاگر ہوتا ہے تو ہم کو خود بخود پتہ لگ جاتا ہے کہ آنکھوں کے پیچھے ایک بہت میٹھی اور سُریلی آواز آرہی ہے، جو کہ مالک کی درگاہ سے اُٹھتی ہے۔ یہ آواز ہر ایک اِنسان کے اندر ہے۔ یہاں کسی قوم، مذہب یا مُلک کا سوال نہیں ہے۔ خواہ ہم ہندو ہو کر اندر جائیں یا سِکھ، مُسلمان و عیسائی مذہب میں ہو کر جائیں۔ جو بھی خوش قسمت اپنے خیال کو آنکھوں کے پیچھے ایکاگر کرتا ہے، اُس کا خیال اُس آواز کے ساتھ جُڑ جاتا ہے۔ اِس عمل یا کریہ کو مہاتما جیتے جی مرنا کہتے ہیں۔ کیونکہ خیال کو آنکھوں کے پیچھے ایکاگر کر کے اُس میٹھی اور سُریلی آواز کو سُننے سے رُوح اور من نَو دواروں سے آزاد ہو جاتے ہیں اور اِن کا تعلق اِس دُنیا سے بالکل ٹوٹ جاتا ہے۔ دُنیا کے سب دُکھ بھُول کر یہ اپنے اندر اُس شبد کی دائمی خوشی کو محسُوس کرنے لگتے ہیں۔ کبیر صاحب اِس بارے میں لکھتے ہیں۔

"جس مرنے سے جگ ڈر ... "

گورُو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"نانک جیوتیاں مر رہیئے۔ ایسا جوگ کمایئے"

سینٹ پال بھی بائیبل میں کہتا ہے۔

"مَیں پرتی دِن مرتا ہوں"

اہلِ اسلام کی حدیث بھی کہتی ہے۔

"مُوتُو اقبل اَنتا مُوتُو"

یعنی مرنے سے پہلے مرو۔

دادُو صاحب جو کہ مشہور مہاتما ہوئے ہیں، اپنی بانی میں لکھتے ہیں۔

"جیوت مائی ہو رہو سائیں سنمکھ ہوئے
دادُو پہلے مر رہو پیچھے مرے سب کوئے"

تیسری پاتشاہی گورُو امر داس جی فرماتے ہیں۔

"ستگورُو سیوے تاں مل جائے
جیوت مرے ہر سیوں چت لائے"

دریا صاحب فرماتے ہیں۔

"دریا گورُو گروا مِلا کرم کیا سب رد
جھوٹا بھرم چھُڑائے کر پکڑایا ست شبد"

اِسی طرح گورُو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

جس وقت بار بار کھٹکھٹانے سے یا سمرن اور دھیان سے ہمارا خیال اِکٹھا ہو جاتا ہے تب وہ گھر کا دروازہ کھُل جاتا ہے۔ پھر ہم کو گھر جانے کا راستہ مِلتا ہے۔ وہ راستہ کیا ہے کہ اپنے خیال کو اُس شبد سے جوڑیں جو ہر ایک کے اندر آ رہا ہے۔ اُس کے ذریعہ ہم واپس جا کر پرماتما کو پا سکتے ہیں۔ تلسی صاحب سمجھاتے ہیں۔

"قدرتی کعبے کی تو محراب میں سُن غور سے
آ رہی دھُر سے صدا تیرے بُلانے کے لئے"

مُسلمانوں کا خیال ہے کہ کعبے کا حج کرنے سے ہم مُکتی حاصل کر سکتے ہیں۔ تلسی صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جو اصلی کعبہ ہے، وہ ہمارا شریر ہے۔ پیروں کے تلوؤں سے ہمارا حج شروع ہوتا ہے اور سر کی چوٹی پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ اِس حج کی دو منزلیں ہیں۔ ایک آنکھوں تک اور دُوسری آنکھوں سے اُوپر۔ مُولوی ہمیشہ محراب کے اندر کھڑا ہو کر بانگ دیتا ہے۔ ہمارے ماتھے کی ساخت بھی محراب کی طرح ہے، جو مالک کی درگاہ کی طرف سے قُدرتی کلمہ آ رہا ہے، وہ اِس محراب یعنی ماتھے کے اندر آ رہا ہے۔ جس وقت ہم اُس آواز یا کلمہ کو پکڑتے ہیں، تو ہم اُس آواز کے پیچھے پیچھے چل کر اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جاتے ہیں۔ گورُو امرداس جی مہاراج فرماتے ہیں۔

"بِن سبدے انتر آنہیرا، نہ وست لبھے نہ چُوکے پھیرا
ستگورُو ہتھ کُنجی ہور توں در کھُلے ناہیں۔ گورُو پُورے بھاگ مِلاونیاں"

تیسری پادشاہی یعنی گورُو امرداس جی بھی یہی اُپدیش کرتے ہیں۔

"اِس کایا اندر وست اسنکھاں۔ گورمُکھ ساچ لبھے تاں ویکھاں
نَو دروا جے دسویں مُکتا۔ انحد سبد وجاونیا"

یہ جو ہمارا شریر ہے، یہ صرف ہڈی اور ماس کا ہی نہیں بنا ہوا ہے اور نہ صرف پانچ چھ فٹ لمبا مٹی کا پُتلا ہی ہے۔ پرماتما نے اِس کے اندر بے شمار سامان یعنی خزانے رکھے ہوئے ہیں۔ بلکہ وہ پرماتما خود اِس کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ جتنا عرصہ کوئی سچا گورمُکھ نہیں مِلتا، اُتنا عرصہ ہم شریر میں اُس پرماتما کو دیکھنے اور اندر کھوج کرنے کے طریقے کا پتہ نہیں لگا سکتے۔ آپ سمجھاتے ہیں کہ جسم کے دو حصے ہیں۔ ایک آنکھوں سے نیچے، ایک آنکھوں سے اُوپر۔ آنکھوں کے نیچے نَو دواروں میں صرف اِندریوں کے بھوگ اور وِشے وِکاروں کی لذّتیں ہیں۔ جتنا عرصہ ہمارا خیال آنکھوں سے نیچے نیچے ہے۔ ہم مُکتی نہیں حاصل کر سکتے۔ کیونکہ مُکتی کا دروازہ آنکھوں کے پیچھے لگایا ہوا ہے۔ اُس کی یہی نشانی ہے کہ اُس جگہ انحد شبد دھُنکاریں دے رہا ہے۔ گورُو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"گورُو شبد مِلے سے وِچھڑے ناہیں۔ سہجے سچ سماونیا"

"بِنسے اندھیرا گیا نتا بھائی۔ کمل ہووے پرگاس
گور بُجھی سُکھ اُوپجے بھائی۔ سب پھل ستگور پاس"

اُس میٹھی اور سُریلی آواز کو ہی جو آنکھوں کے پیچھے آ رہی ہے، مہاتما شبد یا نام کہہ کر پُکارتے ہیں۔ یہ جتنے بھی ہمارے مذہب ہیں، اِن کے رسم و رواج یا شریعت ہر ایک کی جُدا جُدا ہے لیکن جو اصلی رُوحانیت ہے، اصلیت ہے، حقیقت ہے، رُوحانیت کی بُنیاد ہے، وہ ہر مذہب کی تہہ میں ایک ہی ہے۔ اُس رُوحانیت کو مختلف مہاتماؤں نے مختلف لفظوں کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ حضرت عیسےٰ اُس کو شبد یا نام کہہ کر سمجھاتا ہے۔ گورُو نانک صاحب اُس کو گورُو کی بانی، دھُر کی بانی، سچی بانی، شبد، نام، امر حکم، اکتھ کتھا، ہری کیرتن اور کئی لفظوں سے بیان کرتے ہیں۔ مسلمان فقیر اُس کو کلمہ، اسمِ اعظم، بانگِ آسمانی، کلامِ الٰہی، ندائے سُلطانی کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ رِشی مُنی اُس کو آکاش بانی، رام نام، نِرمل ناد، بِدویہ دھُنی، شبد یا نام کہہ کر سمجھاتے ہیں۔ عام مہاتماؤں نے اُس کو شبد یا نام ہی کہا ہے۔ ہمیں لفظوں کے معنوں میں نہیں اُلجھنا چاہیئے۔ ہمیں تو اپنے جسم کے اندر اُس نقطہ پر خیال ایکاگر کرنا ہے، جس جگہ وہ شبد یا نام دِن رات دھُنکاریں دے رہا ہے۔ گورُو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

"نَو در ٹھاکے دھاوت رہائے۔ دسویں نِج گھر واسا پائے
اوتھے انحد سبد وجے دِن راتیں۔ گورمتی سبد سُناونیا"

یعنی جس وقت ہم اپنے شریر کے نَو دواروں سے خیال نِکال کر آنکھوں کے پیچھے ایکاگر کرتے ہیں ہم اپنے اصلی گھر کے دروازے پر آ جاتے ہیں۔ ہمارا اصلی گھر سچکھنڈ ہے، جس جگہ پرماتما رہتا ہے۔ اُس کا دروازہ آنکھوں کے پیچھے ہی تیسرا تِل ہے اور اُس گھر کے دروازہ کی نشانی یوں بیان کرتے ہیں کہ اُس جگہ انحد شبد دِن رات دھُنکاریں دے رہا ہے۔ جتنا عرصہ ہم اُس گھر کے دروازے پر خیال ایکاگر کر کے اُس شبد کو نہیں پکڑتے، اُتنا عرصہ ہمارا مُکتی حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت عیسےٰ بھی اُسی طرف اِشارہ کرتا ہے، جب وہ کہتا ہے۔

"ڈھونڈو تو تم پاؤ گے، کھٹکھٹاؤ تو تمہارے لئے کھولا جائے گا۔"

(متی ۷ : ۷)

اندرُونی راستہ ۱۔ اگر ہم نے اپنے گھر جانا ہے، سب سے پہلے ہمیں اپنے گھر کے دروازے کی تلاش کرنی پڑتی ہے اور وہ جو گھر کا دروازہ ہے وہ آنکھوں کے پیچھے تیسری آنکھ، ایک آنکھ یا تیسرا تِل ہے۔ اور اُس کو کھولنے کے لئے ہم اُس کو کھٹکھٹاتے ہیں یعنی بار بار سمرن اور دھیان کے ذریعہ اپنے پھیلے ہوئے خیال کو آنکھوں کے پیچھے اُلٹ کر اِکٹھا کرتے ہیں۔

جس وقت ہم گورمکھوں کے ذریعے شبد کو پکڑ لیتے ہیں، وہ شبد پھر ہم کو چھوڑتا نہیں۔ اپنے ساتھ لے کر پرماتما میں ہی سما جاتا ہے۔ ہم نے اُس شبد کے ذریعے اپنے اندر اپنے گھر کا رُخ قائم کرنا ہے اور اُس شبد کے ذریعے اپنے گھر کا راستہ دیکھنا ہے۔ ہماری آتما کی جو دیکھنے کی شکتی ہے، اُس کو مہاتما نرت کہتے ہیں اور جو سُننے کی شکتی ہے، اُس کو سُرت کہتے ہیں۔ سُرت نے شبد کی آواز کو سُننا ہے اور نرت نے اُس کے پرکاش کو دیکھنا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہم اپنے گھر سے شام کو کہیں سیر کرتے ہوئے دُور نکل جائیں، رات کا اندھیرا سر پر آجائے، ہاتھ کو ہاتھ نہ سُوجھے اور اپنے گھر کے راستے کا کچھ پتہ نہ لگے اور گھر کا رُخ بھی پتہ نہ چلے تو ہم واپس اپنے گھر پہنچنے کے واسطے اُس اندھیرے کے اندر خاموش کھڑے ہو کر بڑے غور سے کسی نہ کسی آواز کو سُننے کی کوشش کرتے ہیں، جو ہمارے گھر کی طرف سے آرہی ہو کہیں ریڈیو کی آواز ہو یا کوئی کتا بھونکتا ہو، یا اور کوئی ایسی ہی آواز آتی ہوئی سُنائی دے تو ہم اُس آواز کو سُن کر اپنے گھر کا رُخ قائم کر لیتے ہیں کہ ہمارا گھر آگے کی طرف ہے یا پیچھے کی طرف، یا دائیں یا بائیں طرف ہے۔ جس وقت رُخ کا پتہ لگ جاتا ہے، پھر کیونکہ راستے میں اندھیرا ہے، اُونچی نیچی زمین ہے، پانی ہے، یا جھاڑیاں وغیرہ ہیں سو اگر ہمارے ہاتھ میں کوئی ٹارچ یا لالٹین ہو تو ہم اُس کے ذریعے اُونچی نیچی زمین دیکھتے ہوئے خاردار جھاڑیوں وغیرہ سے بچتے ہوئے اپنا راستہ ڈھونڈ کر صحیح سلامت پھر اپنے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ اِسی طرح مہاتما ہم کو اُپدیش کرتے ہیں کہ ہمارے ہر ایک کے اندر پرماتما نے ہمارے لئے وہ آواز بھی رکھی ہوئی ہے اور وہ روشنی بھی رکھی ہوئی ہے۔ ہم نے اُس آواز کو سُن کر گھر کا رُخ قائم کرنا ہے اور اُس روشنی کے ذریعہ اپنا رُوحانی سفر طے کرنا ہے۔ کبیر صاحب اُسی کی طرف اِشارہ کرتے ہیں۔

"دِیوا بلے اگم کا بِن باتی بِن تیل"

وہ اگم کی جوت ہمارے سب کے اندر بغیر بتی اور تیل کے جل رہی ہے۔ یہی پلٹو صاحب اپنا تجربہ سمجھاتے ہیں۔

"اُلٹا کنُواں گگن میں تِس میں جرے چراغ
تِس میں جرے چراغ بِنا روغن بِن باتی
چھ رُت بارہ ماس رہت جرتے دِن راتی"

ہمارے سر کے اُوپر کے حصے کو آپ اُلٹا کنُواں کہہ کر بیان کرتے ہیں۔ کنُوئیں کا مُونہہ اُوپر اور پیندا نیچے ہوتا ہے۔ ہمارے سر کا پیندا اُوپر اور مُونہہ اندر کو نیچے کی طرف ہے۔ یعنی اُس کی ساخت کنُوئیں کے برعکس ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب ہم نو دواروں سے خیال نکال کر

آنکھوں کے پیچھے اکٹھا کریں گے تو ہم اُس اُلٹے کنُوئیں کے اندر آجائیں گے اور اُس جگہ ہر ایک کے اندر ایک جوت جل رہی ہے اُس جوت کے جلنے کے لئے نہ تو کسی بتی کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی تیل کی۔ باہر ہم جتنی جوتیں جلاتے ہیں، اُن کو بتی اور تیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر بتی ختم ہو جائے یا تیل ختم ہو جائے تو وہ جوت بُجھ جاتی ہے۔ لیکن جس جوت کا پلٹو صاحب ذکر کرتے ہیں وہ جوت چوبیس گھنٹے ہمارے سب کے اندر جل رہی ہے ایک سال کی چھ رُتیں بارہ مہینے اور دن رات ہوتے ہیں۔ یہ جوت ہر وقت ہر انسان کے اندر جلتی رہتی ہے۔ یہی سوامی جی مہاراج فرماتے ہیں۔

"بسو تُم آئے نینن میں۔ سمٹ کر ایک یہاں ہونا
دُوئی یہاں دُور ہو جاتے درِشٹی جوت میں دھرنا"

جس وقت ہم نو دواروں سے خیال کو نکال کر آنکھوں کے پیچھے ایکاگر کرتے ہیں تو ہم دُوئیت سے ایکتا میں آجاتے ہیں۔ جتنا عرصہ ہماری توجہ دونوں آنکھوں کے ذریعہ باہر کی طرف ہے ہم دُوئیت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جس وقت خیال کو سمیٹ کر پھر آنکھوں کے پیچھے اکٹھا کرتے ہیں، ہم ایکتا میں آجاتے ہیں۔ پھر ہم کو اُس جگہ اُس جوت کے درشن ہوتے ہیں۔ یہی حضرت عیسےٰ نے بائیبل میں ذکر کیا ہے۔

"شریر کا دِیا آنکھ ہے۔ اِس لئے یدی تیری آنکھ نِرمل ہو تو تیرا سارا شریر بھی اُجیالا ہوگا۔" (متی ۶ : ۲۲)

کہ اگر تُم ایک آنکھ والے ہو جاؤ گے، یعنی دونوں آنکھوں کے پیچھے خیال کو اکٹھا کر لو گے، تو تمہارا سارا جسم نُور اور روشنی سے بھر جائے گا۔ گورُو نانک صاحب بھی یہی اُپدیش کرتے ہیں۔

"انتر جوت نِرنتر بانی سچے صاحب سیوں لولائی"

ہر ایک اِنسان کے اندر وہ جوت جل رہی ہے۔ اُس جوت کے اندر سے ایک بہت میٹھی اور سُریلی آواز نکل رہی ہے۔ جو اُس جوت کے درشن کرتے ہیں اور اُس بانی کی سُریلی آواز کو سُنتے ہیں، اُن کا دُنیا سے موہ و پیار اُٹھ جاتا ہے اور مالک سے پیار پیدا ہو جاتا ہے۔ ہمیں سب کو یہ معلوم ہے کہ جتنی بھی ہماری دھارمک جگہیں ہیں، کیا گورُدوارہ، کیا مسجد، کیا مندر، کیا گرجا، ہر ایک کے اندر جوت جلاتے ہیں اور گھنٹہ اور سنکھ جیسی آواز پیدا کرتے ہیں۔ کسی گرجے کے اندر چلے جاؤ۔ وہاں موم بتیاں جلائی جاتی ہیں اور اُس کے سب سے اُوپر گھنٹہ بھی لٹکا رہتا ہے، جو پرارتھنا وغیرہ شروع ہونے سے پہلے بجایا جاتا ہے۔ اِسی طرح بُدھوں کے مندروں میں بھی ہمیشہ جوت جلتی رہتی ہے، جس کو وہ اکھنڈ جوت کہتے ہیں اور جس کو وہ کبھی بُجھنے نہیں دیتے۔ لیکن جس اکھنڈ جوت کا ذکر

مہاتما بدھ نے کہا ہے، وہ تو ہمارے سب کے اندر ہے۔ اُن کے مندروں کے اندر بگل وغیرہ بجائے جاتے ہیں۔ جینی اور ہندوؤں کے مندروں میں بھی جوت جلائی جاتی ہے اور گھنٹے بجائے جاتے ہیں۔ اور اسی طرح گوردواروں کے اندر بھی جوت جلائی جاتی ہے۔ اور سنکھ وغیرہ بجایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے مزاروں پر بھی رات کو چراغ جلائے جاتے ہیں۔ اور مولوی اونچی اونچی آواز سے بانگ دیتا ہے، یا نقارہ بجاتا ہے۔ ہم نے کبھی بھی یہ خیال نہیں کیا ہوگا کہ ہر ایک دھارمک جگہ پر یہ جوت کیوں جلائی جاتی ہے اور گھنٹہ کیوں بجایا جاتا ہے۔ اصل میں رشی مُنی، سنت مہاتما، پیر پیغمبروں نے سمجھایا تھا کہ ہمارا شریر ہی سب سے بڑا اور اصلی گوردوارہ، مندر، مسجد یا گرجا ہے اور ہر ایک شریر کے اندر جوت جل رہی ہے اور شبد کی آواز جو گھنٹے اور سنکھ جیسی شروع شروع میں ہے، بج رہی ہے، لیکن ہم دُنیا کے جیو ایسے مالک کے بھگتوں اور پیاروں کے جانے کے بعد اُن کی اصلی تعلیم کو بھول گئے اور باہر مُکھی ہو گئے۔ اُس اندر کے شبد کی آواز کو سُن کر اور روشنی کو دیکھ کر ہمارا من بندھ جاتا ہے، قابو آجاتا ہے اور واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتا ہے۔ رُوح اور من کی گانٹھ کھُل جاتی ہے۔

گورو امرداس صاحب سمجھاتے ہیں۔

"گورو گیان انجن سچ نیتریں پایا۔ انتر چانن اگیان اندھیر گنوایا
جوتی جوت ملی من مانیا۔ ہر در سوبھا پاونیا"

جس وقت گورمکھوں کے گیان اور تجربے کے مطابق ہم آنکھوں میں شبد روپی سُرمہ ڈالتے ہیں تو یہ اگیانتا کا اندھیرا ہمارے راستے سے دُور ہو جاتا ہے۔ پرماتما کا نُور اور روشنی نظر آنا شروع ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کے اندر یہ عام رواج ہے کہ اگر کسی کو کم نظر آتا ہے تو اُس کو سُرمے کا استعمال کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ سُرمہ ڈالنے سے نظر پھر ٹھیک ہو جاتی ہے اور اچھی طرح نظر آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اِس واسطے گورو امرداس جی یہ مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ جو ہم دُنیا کے جیو آنکھوں کے باوجود اندھے ہوئے بیٹھے ہیں، ہمیں اپنے اندر کچھ بھی نظر نہیں آتا، اگر ہم شبد کے سُرمے کا استعمال کریں گے یعنی اپنے خیال کو اندر سمیٹ کر شبد کے ساتھ جوڑیں گے، تو ہمارا اگیانتا کا اندھیرا دُور ہو سکے گا۔ اور ہمیں اپنے اندر روشنی نظر آسکے گی۔ جس کو دیکھ کر ہمارا من مان جائے گا یعنی قابو آجائے گا، یعنی یہ جو اندریوں کے بھوگوں کا غلام بنا بیٹھا ہے پھر اُس روشنی کے اندر محو ہو جائے گا اور ہر وقت شبد کی آواز کو سُن کر اور پکڑ کر برہم یعنی ترکُٹی میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیگا۔ تب ہماری آتما من کے پنجے سے آزاد ہوتی ہے اور اس کے بعد جا کر ہماری جوتی اُس جوت میں ملتی ہے اور مالک کی درگاہ میں جا کر اصلی عزّت اور شوبھا حاصل کرتی ہے۔

حضرت عیسےٰ بھی بائیبل میں کہتے ہیں۔

"میں اِس جگت میں نیائے کے لئے آیا، تاکہ جو نہیں دیکھتے وُہ دیکھیں اور جو دیکھتے ہیں وُہ اندھے ہو جاویں۔ (یُوحنا ۹ : ۳۹)"

یعنی میں اِس دُنیا میں اِس لئے آیا ہُوں کہ جو لوگ آنکھیں ہونے کے باوجود اندھے ہیں، اور اُس مالک کو نہیں دیکھتے، میں اُن کو اِس دُنیا کی شکلوں اور پدارتھوں کی طرف سے اندھا کر دُوں اور مالک کی طرف سے آنکھوں والا یعنی سُجاکھا کر دُوں۔

گورو نانک صاحب بھی سمجھاتے ہیں۔

"جن انتر شبد آپ پچھانہی۔ گت مت تنہی پائی"

جو اندر اُس شبد کو پکڑ کر اپنے آپ کو پہچاننے کے قابل بنتے ہیں، اصلی گتی اور مالک کو ملنے کا راستہ اُن ہی کو پراپت ہوتا ہے۔

پھر آپ اُپدیش کرتے ہیں۔

"سبدے سوا د جانے۔ تاں آپ پچھانے"

کہ شبد اور نام کی لذّت حاصل کر کے ہی ہم اپنے آپ کو پہچاننے کے قابل بنتے ہیں۔ ہم اُس وقت اپنے آپ کو پہچانتے ہیں، جس وقت ہماری آتما کے اُوپر سے سب گندے گندے غلاف اُتر جاتے ہیں۔ اِس واسطے مہاتما ہمیں مُکتی حاصل کرنے کا سادھن صرف یہی سمجھاتے ہیں کہ ہم اپنے خیال کو اندر شبد یا نام کے ساتھ جوڑیں، آپ اور جگہ فرماتے ہیں۔

"شبد مرے سو مر رہے پھر مرے نہ دُوجی وار"

سوامی جی مہاراج سمجھاتے ہیں۔

"نام کے رنگ میں رنگ جا۔ ملے تو بے دھام نج اپنا"

گرنتھوں، پوتھیوں، ویدوں، شاستروں کے اندر مہاتما اُس نام یا شبد کی مہما لکھتے ہیں۔ اُن کو پڑھنے سے ہمیں سمجھ آجاتی ہے کہ ہم نے کیوں نام کی کمائی کرنی ہے اور کس طرح نام کی کمائی کرنی ہے۔ لیکن گرنتھوں پوتھیوں میں وُہ نام نہیں ہے۔ صرف نام کو حاصل کرنے کا طریقہ ہے۔ اُن کے پڑھنے میں مُکتی نہیں ہے۔ جو پڑھتے ہیں اُس پر عمل کرنے میں مُکتی ہے۔ جس طرح ڈاکٹری کتابوں کے اندر نسخے یا بیماریوں کے علاج کرنے کا طریقہ لکھا ہوا ہے۔ لیکن دوائیاں نہیں ہیں، کوئی بیمار سارا دن ڈاکٹری کی کتاب پڑھ کر صحت یاب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جو کچھ اُس کتاب میں لکھا ہے، اُس کے مطابق دوائی استعمال کر کے ہی ٹھیک ہو سکتا ہے۔ دوائی بذاتِ خود کوئی چیز اور ہے اور دوائی کا ذکر کتاب کے اندر کچھ اور ہے۔ اِسی طرح اگر کوئی سارا دن کھانا بنانے کی کتابیں پڑھتا رہے جن کے

اندر مختلف کھانا بنانے کے طریقے لکھے ہوتے ہیں، کہ کونسا کھانا کس طرح بنایا جاتا ہے تو اُس کے پڑھنے سے نہ کبھی اُس کو کھانے کی لذت آسکتی ہے، نہ پیٹ ہی بھر سکتا ہے جس وقت اُس کتاب کے مطابق وہ کھانا بنا کر کھا لیتا ہے، تو پیٹ بھی بھر جاتا ہے اور سواد بھی آجاتا ہے۔ اِسی طرح اگر کسی نے گاڑی کا سفر کرنا ہو تو پہلے ٹائم ٹیبل یا گائیڈ بک کو اچھی طرح پڑھا جاتا ہے۔ اُس سے پتہ چل جاتا ہے کہ گاڑی کا سفر کتنا لمبا ہے، کون کون سے سٹیشن راستے میں آئیں گے، کتنا کرایہ لگے گا اور کتنے کتنے بجے گاڑی سٹیشن سے روانہ ہوتی ہے لیکن اُس ٹائم ٹیبل کو صرف پڑھ لینے سے، ہم اپنی منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ جاتے اگر سٹیشن پر جا کر ٹائم ٹیبل کے مُطابق ٹکٹ لے کر گاڑی پر سوار ہو جاتے ہیں تب ہی منزلِ مقصود پر پہنچنے کے حقدار بنتے ہیں۔ اِس نُقطے اور مُقام پر آ کر آج عام دُنیا بھول بیٹھی ہے۔ ہم اپنے گرنتھوں، پوتھیوں، ویدوں و شاستروں کے پڑھنے پڑھانے کو ہی مُکتی کا سادھن سمجھے بیٹھے ہیں اور اکثر تو ہم خُود بھی نہیں پڑھتے بلکہ کوئی پنڈت یا گیانی ہمارے گھر میں پڑھ رہا ہوتا ہے، اور ہم دُنیا کے کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں اور من میں سمجھ لیتے ہیں کہ نہ معلُوم ہم کتنا فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ اگر خُود بیٹھ کر پڑھیں یا سُنیں تو اُن مہاتماؤں کے بچن ہمارے کانوں میں پڑیں، ہمیں اپنی کمزوریوں اور کمیوں کا پتہ لگے اور پھر اُن کو دُور کرنے کا من میں شوق پیدا ہو، طریقہ اور سادھن کا پتہ لگے، پھر تو اُس پڑھنے پڑھانے کا بھی فائدہ ہو۔ ہم نے تو اُس کو صرف رسم و رواج بنایا ہُوا ہے کہ شاید اُس پنڈت کے پڑھنے سے ہی مُکتی حاصل کر سکتے ہیں۔ ہر ایک مہاتما ہمارے خیالوں کو ان بھرموں سے نکالتا ہے۔ سوامی جی مہاراج فرماتے ہیں۔

"وید شاستر سمرت اور پُورانا۔ پڑھ پڑھ سب پنڈت ہارا
بن ستگورو اور بنا شبد سُرت۔ کوئی نہ اُترے بھو پارا"

اِسی طرح گورو نانک صاحب اُپدیش کرتے ہیں۔

"پڑھیئے جیتے برس برس۔ پڑھیئے جیتے ماس
پڑھیئے جیتی آرجا۔ پڑھیئے جیتے ساس
نانک لیکھے اِک گل۔ ہور ہوَمَے جھکھنا جھاکھ"

کہ اگر ہم سارا دِن پڑھتے رہیں، سارا مہینہ، سارا سال پڑھتے رہیں۔ ساری زندگی اور سانس سانس سے پڑھتے رہیں، صرف ایک ہی چیز ہمارے حساب میں لکھی جائے گی۔ کہ کیا ہماری سُرت اُس شبد یا نام کو پکڑتی ہے؟ نہیں تو ہمارا سارا پڑھنا پڑھانا فضُول ہے۔ یہی تلسی صاحب اپنی بانی میں لکھتے ہیں۔

"چار اٹھارہ نَو پڑھے کھٹ پڑھ کھو یا مُول
سُرت شبد چینہے بنا جیوں پنچھی چنڈول"

کہ اگر کوئی چار وید، اٹھارہ پُوران، نَو ویاکرن اور چھ شاستر بھی پڑھ لے لیکن اگر سُرت شبد کا گیان حاصل نہیں کیا تو اُس کی حالت چنڈول پنچھی جیسی ہے۔ چنڈول ایک پنچھی پہاڑوں میں ہوتا ہے، جسے کستورا اور اگن بھی کہتے ہیں۔ وہ ہر ایک جانور کی آواز کی نقل کر لیتا ہے۔ اگر کوّے کی بولی سُنے تو کوّے کی طرح بول لیتا ہے۔ فاختہ کی آواز سُن کر فاختہ کی طرح بول لے گا۔ جس جانور کی آواز سُنے، ویسا ہی بول لے گا۔

کبیر صاحب لکھتے ہیں۔

"پوتھی پڑھ پڑھ جگ مُوا پنڈت بھیا نہ کوئے
ڈھائی اکھشر پریم کے پڑھے سو پنڈت ہوئے"

یہی بُلھے شاہ اُپدیش کرتا ہے۔

"عِلموں بس کریں او یار۔ اِکّو الف تیرے درکار
بہتا عِلم عزرائیل نے پڑھیا۔ جھُگا جھاہا اُس دا سڑیا"

حضرت عیسیٰ بھی بائیبل میں یہی کہتے ہیں۔

"ہے پِتا! سورگ اور پرتھوی کے پربھو! مَیں تیرا دھنیہ واد کرتا ہُوں کہ تُو نے اِن باتوں کو گیانیوں اور سمجھ داروں سے چھپا رکھا اور بالکوں پر پرگٹ کیا ہے" (متی ۱۱: ۲۵)

ہم گرنتھ پوتھی، وید شاستر پڑھ کر واچک گیانی بن جاتے ہیں۔ بحث مُباحثہ کرنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ اپنے آپ کو بڑا گُنی گیانی، عالم فاضل سمجھنا شروع کر دیتے ہیں اور دوسروں کو نا سمجھ اور اگیانی تصوّر کرنے لگ جاتے ہیں۔ من میں ہَومَیں، گھمنڈ اور اہنکار آجاتا ہے۔ جبکہ مالک کی بھگتی کے راستے پر تو پڑھ لکھ کر پھر بچہ بننا پڑتا ہے۔ گرنتھ، پوتھیاں، وید، شاستر، کیا چیزیں ہیں؟ گورُو صاحبان، رشی، مُنی، پیر پیغمبروں نے محنتیں کیں اور مالک سے وصال کیا۔ اور جو کچھ اُنہوں نے اندر نظارے دیکھے اور اُنہوں نے جو رُکاوٹیں اندر محسُوس کیں اور دیکھیں، اُنہوں نے ہمارے فائدے کے لئے اِن دھرم پُستکوں میں اُن کا ذکر کر دیا۔ یہ مقدّس کتابیں اُن مہاتماؤں کے ذاتی تجربے کا ریکارڈ ہیں۔ ہم کو اُن کے پڑھنے سے وہ تجربہ نہیں ہو سکتا جب تک، جو کچھ ہم پڑھتے ہیں، اُن کے اُپدیش کے مُطابق ہم اپنے اندر کھوج اور تحقیقات نہیں کرتے۔ یہ جو کھوج اور تحقیقات کرنے کا طریقہ ہے یہ صرف شبد یا نام کی کمائی ہے۔ وہ نام کہیں باہر نہیں ہے۔ ہمارے ہر ایک کے شریر اور دیہہ کے

اندر ہے اور ہمارے ہی واسطے پرماتما نے ہمارے اندر رکھا ہُوا ہے۔ لیکن کھوج کِس طرح کرنی ہے؟ اِس کا بھید یا طریقہ ہم کو گورمکھوں سے ہی پتہ لگتا ہے۔ گورُو نانک صاحب ہمیں سمجھاتے ہیں۔

"انحد بانی گُرو بجی۔ سنتن ہتھ راکھی کُنجی"

پھر لکھتے ہیں۔

"جس کا گرِیہہ تن دِیا تالا کُنجی گور سونپائی
انک اُپاؤ کرے نہیں پاوے بن ستگور سرنائی" (گورُو ارجن دیو)

سنتوں کی صُحبت :-

جس پرماتما نے ہم کو پیدا کیا ہے، اُس نے نام کی دَولت ہمارے اندر ہمارے واسطے رکھ کر اُس کا بھید گورمکھوں کے حوالے کر دیا ہے۔ اِس واسطے ہم کو اُس چیز کو حاصل کرنے کے لئے سادھو، سنتوں، مہاتماؤں کی سنگت وصُحبت کرنی پڑتی ہے۔ گورُو امرداس جی لکھتے ہیں۔

"بن گورُو داتے کوئی نہ پائے۔ لکھ کوٹی جے کرم کمائے"

پانچویں پاتشاہی گورُو ارجن دیو جی لکھتے ہیں۔

"کہو نانک پربھ ایہو جنائی۔ بن گورُو مُکت نہ پائیے بھائی"

گورُو نانک صاحب پھر فرماتے ہیں۔

"ستگورُو سیوے سدا سُکھ پائے
ستگورُو الکھ دِیا لکھائے"

پھر فرماتے ہیں۔

"مت کو بھرم بُھلّے سنسار
گور بن کوئے نہ اُترس پار"

چوتھی پاتشاہی گورُو رام داس جی فرماتے ہیں۔

"سنتو سنُو سُنو جن بھائی۔ گورُو کاڈھی بانہہ کو کیجے
جے آتم کو سُکھ سُکھ نت لوڑو۔ تاں ستگورُو شرن پویجے"

مہاتما گورمکھوں کی سنگت وصُحبت پر بہُت ہی زور دیتے ہیں۔ کہ اُن کے بغیر ہمارا مُکتی حاصل کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پانچویں پاتشاہی پھر لکھتے ہیں۔

"سا ست بید سمرت سب سودھے۔ سب ایکا بات پکاری
بن گور مُکت نہ کوئی پاوے۔ من دیکھو کر دِیچاری"

HARDAYAL PUBLIC LIBRARY, DELHI.
Acc. No. 13264 — 1980

پھر اور جگہ لکھتے ہیں۔

"بن ستگور کوئی نام نہ پائے۔ پربھ ایسی بنت بنائی ہے"

مالک نے اپنے مِلنے کا یہی قُدرتی قانُون رکھا ہُوا ہے کہ جب بھی وُہ مِلتا ہے، سادھو، سنتوں مہاتماؤں کے ذریعہ ہی مِلتا ہے۔

حضرت عیسےٰ بھی بائیبل میں یہی کہتے ہیں۔

"ہے سب پریشرم کرنے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو! میرے پاس آؤ
مَیں تمہیں وِشرام دُوں گا۔ (متی ۱۱: ۲۸)

یعنی اے دُنیا والو! تُم جو گُناہوں کے بوجھ سے لدے اور تھکے ہوئے ہو، میرے پاس آؤ مَیں تم کو آرام اور شانتی دُوں گا۔ آگے پھر وُہ کہتے ہیں۔

"مارگ اور جیون اور سچائی مَیں ہی ہُوں۔ بِنا میرے دوارا کوئی پِتا کے پاس
نہیں پہنچ سکتا۔ یدی تُم نے مُجھے جانا ہو تو میرے پِتا کو بھی جانتے
اور اب اُسے جانتے ہو۔ اور اُسے دیکھا بھی ہے" (یُوحنا ۱۴: ۶، ۷)

کہ تُم اپنے پِتا کو صرف میرے ہی ذریعے سے مِل سکتے ہو۔ مَیں ہی اُس کو مِلانے کا ذریعہ اور راستہ ہُوں۔ اگر تُم نے مُجھ کو جان و پہچان لیا تو تُم نے اُس پرماتما کو جان لیا اور دیکھ لیا۔

آگے پھر کہتے ہیں۔

اور جو مُجھے دیکھتا ہے وُہ میرے بھیجنے والے کو دیکھتا ہے۔"

(یوحنا ۱۲: ۴۵)

کہ مَیں نے اُس پرماتما کو دیکھا ہے، تُم نے مُجھے دیکھا ہے۔ اِس لِئے تُم نے بھی اُس پرماتما کو دیکھا ہے۔

پھر کہتے ہیں۔

"جگت کی جیوتی مَیں ہُوں، جو میرے پیچھے ہولے گا وُہ اندھکار میں نہیں
چلے گا۔ پرنتُو جیون کی جیوتی پا جائے گا۔" (یوحنا ۸: ۱۲)

تُلسی صاحب بھی یہی اُپدیش کرتے ہیں۔

"تُلسی یا سنسار میں پانچ رتن ہیں سار
سادھ سنگ ستگور شرن دیا دِین اُپکار"

پھر فرماتے ہیں:

"سونا کائی نہ لگے۔ لوہا گھُن نہیں کھاتے
بُرا بھلا جو گورُو بھگت۔ کبہوں نرک نہ جائے"

یہی سوامی جی مہاراج اپنی بانی میں ذکر کرتے ہیں۔

"یہ دیہی پھر ہاتھ نہ آئے۔ پھرو چوراسی بن میں
گورُو سیوا کر گورُو رِجھاؤ۔ آؤ تُم اِس ڈھنگ میں
گورُو بِن تیرا اور نہ کوئی۔ دھار بچن یہ من میں

پھر فرماتے ہیں۔

"بن مہر گورُو نہیں پاوے۔ بِن شبد ہاتھ نہیں آوے
سُرت کھینچ چڑھ اوگگنی۔ دُھن شبد سُنو یہ کرنی"

کبیر صاحب بھی فرماتے ہیں۔

"کبیر گورُو کی بھگتی بِن۔ نار کُوکری ہوئے
گلی گلی گھُومت پھرے۔ ٹُوک نہ ڈارے کوئے
کبیر گورُو کی بھگتی بِن۔ راجہ گدھا ہوئے
ماٹی لدے کُمہار کی۔ گھاس نہ ڈارے کوئے
اُجّل پہنے کاپڑا۔ پان سُپاری کھائے
کبیر گورُو کی بھگتی بِن۔ باندھا جم پُور جائے

پھر فرماتے ہیں۔

"گورُو بِن مالا پھیرتے۔ گورُو بِن دیتے دان
گورُو بِن دان حرام ہے۔ جاپُوچھو وید پُوران"

گورُو رام داس جی چوتھی پاتشاہی لکھتے ہیں۔

"بن گورُو ساکت کہو کو تریا۔ ہوئے کرتا بھُوجل پریا
بن گورُو پار نہ پاوے کوئی۔ ہر جپئے پار اُتارا ہے"

پھر فرماتے ہیں۔

"جناں ستگُور پُرکھ نہ بھیٹیو۔ سے بھاگ ہین وس کال
اوے پھر پھر جُون بھوائیے۔ وِج وِشٹا کر وِکرال"

جن کو پُورا ستگورُو نہیں مِلا، وہ بہت ہی کھوٹے بھاگ والے ہیں۔ وہ ہمیشہ کال کے ماتحت رہتے ہیں۔ اُن کو بار بار موت اور پیدائش کے دُکھوں میں آنا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ اُن کو آخر گندگی کے کیڑے تک بن کر دُکھ اُٹھانا پڑتا ہے۔ جو پُورے ستگورُو کی کھوج نہیں کرتے اُن کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرتے، وہ شبد یا نام کے ساتھ کبھی نہیں جُڑ سکتے۔ اپنے کرموں کے بموجب چوراسی کے جیل خانہ کے اندر دُکھ اور مُصیبتیں بھُگتتے رہتے ہیں۔ اصل میں وہ دُنیا میں اگر بھی جیتے ہیں، مرے ہوُئے ہیں۔ دُنیا میں جیتے ہوئے بھی مُردے کی مانند ہی رہتے ہیں۔

گورُو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"ستگورُو کی سیو نہ کینیا، ہرنام نہ لگو پیار
مت تُم جانو او جیوندے۔ او آپ مارے کرتار"

ہر ایک آدمی خوشی اور شانتی کی تلاش کرنا چاہتا ہے اور مُختلف چیزوں میں مُختلف جگہوں جا کر ڈھونڈتا ہے۔ لیکن اصلی خُوشی صرف شبد کے ہی اندر ہے، جس کے ساتھ ہمارا خیال صرف ستگورُو کے ذریعہ ہی جُڑ سکتا ہے۔ اگر ہمیں کسی سادھو مہاتما کی صحبت نہیں ملی ہے، بے شک وہ شبد یا نام ہمارے اندر ہے، ہم اُونچی، سچی اور پوتر دُھن کو کبھی بھی نہیں پکڑ سکتے۔ اِس واسطے ہم کو چاہیے کہ پُورے گورمُکھوں کی تلاش کریں، جو ہمارے خیال کو اُس شبد سے جوڑ کر ہمیں مالک سے مِلا دیویں۔ اور کوئی چیز ہم کو سچی و اصلی خُوشی نہیں دے سکتی۔

سائیں بُلھے شاہ کیا زور سے پُکارتے ہیں۔

"بن مُرشد کامل بُلھیا تیری ایویں گئی عبادت کیتی"

پھر کہا ہے۔

"بُلھا شوہ دی سُنو حکایت۔ ہادی پھڑیاں ہوگ ہدایت
سب گُناہ تھیں ہوگ عنایت۔ پھر باقی کیہا گُفتار"

سنتوں مہاتماؤں نے ہمارے اندر گھول کر کچھ نہیں ڈالنا۔ وہ دولت ہمارے اندر ہی ہے اور ہمارے واسطے پرماتما نے رکھی ہے اور ہم کو اپنے اندر سے ہی ملنی ہے۔ اُنہوں نے صرف جُگتی اور سادھن سمجھانا ہے۔ جس طرح وِدیا کی طاقت ہر ایک اِنسان کے اندر ہے، لیکن وہ طاقت ہمارے اندر سوئی ہوُئی ہوتی ہے۔ جس وقت ہم سکول کالج میں جاتے ہیں اُستادوں کی تابعداری کرتے ہیں، راتوں کو جاگتے ہیں، تب وہ سوئی ہوئی طاقت ہمارے اندر سے ہی جاگ پڑتی ہے۔ پھر ہم بی۔ اے، ایم۔ اے، عالم فاضل بن جاتے ہیں۔ جو طالبِ علم اُستادوں سے ڈر کر سکُولوں کالجوں میں نہیں جاتے، وِدیا کی طاقت اُن کے اندر بھی ہے۔ وہ سوتی آئی ہے اور سوتی چلی جاتی ہے۔ جو اِتنی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اُستاد اُنکے اندر گھول کر کچھ نہیں ڈالتے۔ صرف اُستادوں کی سنگت اور صحبت کرنے سے ہی اُن کی عقل اور ذہن تیز ہو جاتے ہیں۔ ہم سب کو یہ معلُوم ہے کہ دُودھ کے اندر گھی ہے، لیکن اگر ہم کو جُگتی یا طریقہ پتہ نہ لگے تو ہم کبھی بھی اُس گھی کو دُودھ میں سے حاصل

سمجھاتے ہیں۔

"ساکت سُوت بہو گُرجھی بھریا۔ کیوں کر تان تنیجے
تنت سُوت کچھ نکسے ناہیں ساکت سنگ نہ کیجے"

اگر سُوت کے اندر بہت ساری گُتھلیں ہوں، تو اُس سُوت سے کبھی بھی کپڑا نہیں بُنا جاسکتا اِسی طرح من مُکھوں کا من ساری دُنیا کے اندر پھیلا ہوا ہے۔ دن رات اِندریوں کے بھوگوں وِشیوں وِکاروں میں ہی لگا رہتا ہے۔ اُن کی سنگت وصحبت میں جاکر ہمارا خیال کس طرح پرماتما کی بھگتی کی طرف جاسکتا ہے۔ پھر اُپدیش کرتے ہیں۔

"ساکت نر پرانی سد بھوکھے نِت بھوکھن بھوکھ کریجے
دھاوت دھائے دھاوے پریت مایا، لکھ کوسن کو دِتھ دیجے"

من مکھ لوگ ہمیشہ بھوکے ہیں، پرماتما اُن کو جو مرضی بخش دیوے۔ کتنی ہی نیک اولاد ہووے دھن دولت ہو، دُنیا میں مان، عزت اور بڑائی ہو، صحت ہو، لیکن اُنھوں نے پھر بھی کبھی پرماتما سے پرماتما کو نہیں مانگنا۔ وہ ہمیشہ پرماتما سے اپنی دُنیا کی خواہشیں اور ترِشنا پُوری کرانا چاہتے ہیں، جو شخص ایسے ہیں کہ ہمیشہ دُنیا کے پدارتھوں اور شکلوں کی طرف ہی بھاگتے ہیں، گورُو صاحب سمجھاتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی کبھی بھولے بھٹکے سے بھی صحبت نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ لاکھ کوس دُور رہنا چاہیئے۔ پھر کس کی سنگت کرنی چاہیئے؟ سو آپ اُپدیش کرتے ہیں۔

"گوبند جیو ست سنگت میل ہر دھیایئے"

کہ اے پرماتما! سادھو، سنتوں، مہاتماؤں کی سنگت اور صحبت دے، تاکہ تیرا پتہ لگے۔ تیری طرف ہمارا خیال جاوے۔ مہاتما ہمیشہ ست سنگ پر زور دیتے ہیں۔ کیونکہ گورمکھوں کے ست سنگ میں جاکر ہی پتہ لگتا ہے کہ آتما اور پرماتما کا رشتہ کیا ہے؟ آتما اور پرماتما کے درمیان رکاوٹ کس چیز کی ہے؟ اور وہ رکاوٹیں کس طرح ہمارے اندر سے دُور ہو سکتی ہیں؟ مہاتما ست سنگ اُس کو نہیں کہتے جہاں ایک قوم دُوسری قوم کی نِندیا چغلی کرتی ہے، جس جگہ ایک مذہب دُوسرے مذہب کا گلہ کاٹنے کی تدبیریں سوچتا ہے یا جس جگہ پُرانے راجہ مہاراجاؤں کی پُرانی کتھا کہانیاں سُنائی جاتی ہیں۔ مہاتما کے ست سنگ کے اندر کسی کی بھی نِندیا اور چغلی نہیں کی جاتی۔ وہ صِرف ہمارے اندر مالک کے مِلنے کا شوق اور پیار پَیدا کرتے ہیں اور ہم کو مالک سے مِلنے کا راستہ، طریقہ اور سادھن بتلاتے ہیں۔ یہ تو بہت ہی نامناسب بات ہے کہ اگر کوئی ہماری عقل اور مرضی کے مُطابق پرماتما کی بھگتی نہیں کرتا تو ہم اُس کو ڈنڈے مارنا شُروع کر دیں اور تلواروں سے ڈرانا شُروع کر دیں۔ بلکہ ہمیں اُن لوگوں کو پیار سے سمجھانا چاہیئے کہ اِس راستہ پر چل کر ہم کو یہ فائدہ پراپت ہوا ہے۔

نہیں کر سکتے۔ گھی ہمیشہ دُودھ سے ہی نکلتا ہے۔ لیکن بھگتی بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ گورُو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

"کاسٹھ میں جیوں ہے بیسنتر مت سنجم کاڈھ کڈھیجے
رام نام ہے جوت سبائی تت گورمت کاڈھ لیجے"

جس طرح لکڑی کے اندر آگ ہوتی ہے، لیکن وہ ہم کو نظر نہیں آتی نہ ہم اُس اگنی سے کوئی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ جس وقت لکڑی پر لکڑی رگڑتے ہیں تو اِس جُگتی کے ذریعہ اگنی بھی پیدا کر لیتے ہیں اور اُس سے فائدہ بھی اُٹھا لیتے ہیں۔ اِسی طرح وہ رام نام کی جوت ہمارے سب کے اندر ہے، لیکن گورمکھوں کے اُپدیش پر چل کر ہی ہم اُس کو حاصل کر سکتے ہیں۔ گورُو نانک صاحب بڑی اچھی مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔

"گھر رتن لال بہو مانک لادے من بھرمیاں لہہ نہ سکائیے
جیوں اوڈا کُوپ گہج کھن کاڈھے تیوں ستگورو وست لہائیے"

ہمارے گھر کے اندر یعنی شریر کے اندر پرماتما نے نام رُوپی دولت بے شمار رکھی ہوئی ہے لیکن ہمارا من باہر مُکھی ہو کر بھرموں میں اُلجھا بیٹھا ہے۔ جتنا عرصہ شریر میں داخل ہو کر کھوج نہیں کرتا اُس دولت کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اب مثال دیتے ہیں کہ عام پُرانی آبادیوں کے نیچے بنے بنائے کُنوئیں مٹی سے بھر جاتے ہیں۔ ہم اُن زمینوں پر چلتے پھرتے ہیں، لیکن ہم کو معلوم نہیں ہوتا کہ اِس جگہ کُنواں مٹی کے نیچے دبا ہوا ہے۔ اوڈ لوگ ہم کو اپنے عِلم اور ہُنر کے ذریعہ بتلا دیتے ہیں کہ فلاں جگہ مٹی کی کھُدائی کرو، تو تم کو بنا بنایا کُنواں نیچے مِل جائے گا۔ اوڈ لوگ کُنواں بنا کر مٹی سے دبا کر ہم کو پتہ نہیں دیتے اُن کو صِرف واقفیت اور علم ہی ہوتا ہے جس سے فائدہ اُٹھا کر ہم اُس کُنوئیں کا اِستعمال شُروع کر دیتے ہیں۔ اِسی طرح مہاتماؤں نے ہمارے اندر کچھ چیز نہیں ڈالنی۔ اُن کو علم اور واقفیت ہے کہ ہمارے اندر وہ پرماتما ہے۔ اور پرماتما سے مِلنے کا راستہ بھی ہمارے اندر ہی ہے۔ وہ ہم کو اندر اُس راستہ پر ڈال دیتے ہیں۔ اِس واسطے ہم کو سنتوں مہاتماؤں کی تلاش کرنی پڑتی ہے۔ اُن کی سنگت اور صحبت میں رہنا پڑتا ہے۔ ہمارا من ہمیشہ سنگت اور صحبت کا اثر لیتا ہے۔ اگر ہم شراب پینے والوں کی سنگت و صحبت کرتے ہیں، تو ہمیں بھی وَیسی ہی عادت پڑ جاتی ہے۔ اگر جواریوں کی سنگت وصحبت کرتے ہیں تو وَیسے وَیسے خیال ہمارے من میں بھی لہریں اُٹھانا شُروع کر دیتے ہیں۔ اگر ہم مالک کے بھگتوں اور پیاروں کی صحبت کرتے ہیں تو چونکہ وہ پرماتما کی بھگتی میں لگے ہوئے ہیں اِس لِئے اُن کو دیکھ کر ہمارے اندر بھی پرماتما کو مِلنے کا شوق و پیار پَیدا ہو جاتا ہے گورُو نانک صاحب

اگر تمہاری عقل اور سمجھ میں آتا ہے تو تم بھی اِس راستہ پر چل کر یہ فائدہ اُٹھا سکتے ہو۔ یہ تو بہت ہی خراب اور نامناسب بات ہے کہ اگر کوئی کِسی کی عقل کے مطابق مالک کی بھگتی نہیں کرتا تو اُس کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیں۔ گورُو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

"ست سنگت کیسی جانیئے۔ جِتھے اِکو نام بکھانیئے"

اصلی ست سنگ تو پُورے گورُو کی موجودگی میں ہو سکتا ہے۔ جب تک پُورا اور سچّا گورُو نہ ہووے' جو اندرُونی شبد کا راستہ بتا وے اور خُود اُس شبد اور روا گورُو کے ساتھ مِلا ہووے' اور دُوسروں کو بھی اُس کے ساتھ مِلانے کی شکتی رکھتا ہو تب تک اُس کو اصل ست سنگ نہیں کہہ سکتے۔ گورُو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"سگورُو باجھوں سنگت نہ ہوئی ۔ بن سبدے پار نہ پائے کوئی"

کبیر صاحب بھی ست سنگ کی یُوں مہما کرتے ہیں۔

"کبیر سنگت سادھ کی جَو کی بھُوسی کھائے
کھیر کھانڈ بھوجن مِلے ساکت سنگ نہ جائے"

اِس واسطے آگے سمجھاتے ہیں۔

"ایک گھڑی آدھی گھڑی آدھی ہُوں سے آدھ
کبیر سنگت سادھ کی کٹے کوٹ اپرادھ"

یہی سوامی جی مہاراج کا اُپدیش ہے۔

"مت تیرا کوئی نہیں سنگین میں
پڑا کیوں سووے اِن ٹھگین میں
چیت کر پریت کرو ست سنگ میں
گورُو پھر رنگ دیں نام ارنگ میں"

ایک اور جگہ بھی سمجھاتے ہیں۔

"اٹک تُو کیوں رہا جگ میں۔ بھٹک میں کیا مِلے بھائی
کھٹک تُو دھار اب من میں۔ کھوج ست سنگ میں جائی"

پھر مولانا رُومؔ بھی اپنے کلام کے اندر فرماتے ہیں۔

"ہمنشینی ساعتے با اولیا ۔ بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا"

کہ مالک کے بھگتوں اور پیاروں کی ایک گھڑی کی بھی جو سنگت وصُحبت ہے' وہ من اور بُدھی کی سَو سال کی بندگی سے بہتر ہے۔ کیونکہ اگر راستہ مشرق کی طرف ہے اور ہم مغرب کی طرف دوڑ رہے

ہیں تو ہم اپنی منزلِ مقصود سے اور دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ہر ایک مہاتما ہمارے اندر ست سنگ کے ذریعہ ہی مالک سے مِلنے کا شوق اور پیار پیدا کرتا ہے۔

سنتوں کا اصلی سرُوپ:۔ مہاتما کا جو اصلی سرُوپ ہوتا ہے' وہ شبد اور نام ہی ہوتا ہے۔ مہاتما اُس شبد یا نام کے اندر سے ہی آتے ہیں اور ہمارے خیال کو شبد یا نام سے جوڑ کر اُسی نام کے اندر ہی واپس جا کر سما جاتے ہیں۔ کیونکہ اِنسان کا اُستاد انسان ہی ہو سکتا ہے۔ دیوی دیوتا کِسی نے دیکھے نہیں' پرماتما کے سرُوپ کا کِسی کو پتہ ہی نہیں' جِتنا عرصہ کوئی ہم کو ہمارے جیسا اِنسان ہو کر نہ سمجھائے اُتنا عرصہ اُس مالک کے مُتعلق کُچھ بھی سمجھ نہیں آ سکتی۔ اِس واسطے حضرت عیسیٰؑ نے اُن مہاتماؤں کو دیہہ دھاری شبد (WORD MADE FLESH) کہہ کر بیان کیا ہے کہ وہ شبد جس وقت اِنسان کے جامے آ جاتا ہے وہ ہمارے واسطے دیہہ دھاری گورُو بن جاتا ہے۔ پرماتما اور شبد ایک ہی ہیں۔ اِس واسطے حضرت عیسیٰؑ نے کہا ہے۔

"مَیں اور پِتا ایک ہی ہیں" (یُوحنا ۱۰ : ۳۰)

"آدی میں شبد تھا اور شبد پرمیشور کے ساتھ تھا اور
شبد پرمیشور تھا" (یُوحنا ۱ : ۱)

"اور شبد دیہہ دھاری ہُوا اور انُوگرہ اور سچائی سے
پریُورن ہو کر ہمارے بیچ میں ڈیرہ کیا" (یُوحنا ۱ : ۱۴)

پھر لُوقا لکھتا ہے۔

پھر یسُوع پوِتر آتما سے بھرا ہوا یردن سے لَوٹا۔
(لُوقا ۴ : ۱)

حضرت عیسےؑ خُود اپنے بارے میں کہتے ہیں۔

"مَیں پِتا سے نِکل کر جگت میں آیا ہُوں پھر جگت کو چھوڑ کر
پِتا کے پاس جاتا ہُوں۔ (یُوحنا ۱۶ : ۲۸)

اور

"جب مَیں اُن کے ساتھ تھا تو مَیں نے تیرے نام سے جو
تُو نے مُجھے دیا ہے' اُن کی رکھشا کی اور کوئی ناش نہیں ہُوا"
(یُوحنا ۱۷ : ۱۲)

یعنی اے مالک! جِتنا عرصہ میں دُنیا میں رہا۔ مَیں نے اُن سب رُوحوں کی سنبھال کی' جو تُم

نے میرے سپُرد کی تھیں اور اُن میں سے کسی کو بھی گُمراہ نہیں ہونے دیا۔
مالک اور مالک کے بھگتوں میں کوئی بھن بھید نہیں ہے۔ وُہ مالک کی بھگتی کر کے مالک کا رُوپ ہی ہو جاتے ہیں۔
شُرتی کہتی ہے۔

"برہم ویتا برہم ایو بھوتی"

کہ برہم کو جاننے والا برہم ہی ہو جاتا ہے۔ جس طرح سمُندر کی لہریں اُٹھتی ہیں، پھر وُہ سمُندر کے اندر ہی جا کر سما جاتی ہے، اِسی طرح جو ایک لہر کا سمُندر کے ساتھ رشتہ ہے، وہی مالک کے بھگتوں کا اُس مالک سے رِشتہ ہوتا ہے۔ جیاتما اُس ست نام کے سمُندر کی لہریں ہوتے ہیں، جو دُنیا میں آ کر ہمارے خیال کو شبد یا نام کے ساتھ جوڑ کر بلکہ ہم کو ساتھ لے جا کر اُسی ست نام کے سمندر میں جا کر سما جاتے ہیں۔ بلکہ وُہ پرماتما جب ہم کو دیہہ کے بندھنوں سے چھڑانا چاہتا ہے، تو وُہ خود گورمُکھ کے اندر بیٹھ کر ہمارے خیال کو شبد کے ساتھ جوڑ کر ہم کو واپس لے جا کر اپنے اندر ہی بلا لیتا ہے۔ گورُو نانک صاحب بھی یہی اُپدیش کرتے ہیں۔

"ہر کا سیوک سو ہر جیہا۔ بھید نہ جانو مانس دیہا
جیوں جل ترنگ اُٹھے بہو بھانتی پھر سلے سلل سمائندا"

آپ پھر فرماتے ہیں۔

"سنگورُو وچ آپ رکھیون کر پرگٹ آکھ سُنایا"

گورُو اور پرماتما ایک ہی ہیں۔ دونوں میں صرف اِتنا ہی بھید ہے، کہ پرماتما گورُو کا ہی اصلی سرُوپ ہے۔ اور گورُو انسانی قالب (جامہ) میں رَبّ ہے۔ جب تک پرماتما ہمارے اِنسانی جامے کی سطح LEVEL پر گورُو کے رُوپ میں نہیں آتا، وُہ ہمارے ساتھ اپنا تعلق پیدا نہیں کر سکتا۔ وُہ پرماتما گورُو کے اندر بیٹھ کر ہی بولتا ہے۔

"بن کایا برہم کیسے بولے
برہم بولے کایا کے اولے"

گورُو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

"گورُو میں آپ رکھیا کرتارے

پھر اور جگہ لکھتے ہیں۔

"سمُندر وِ رول سریر ہم دیکھیا؛ اِک وستُ انوُپ دِکھائی
گور گوبند گوبند گورُو ہے، نانک بھید نہ بھائی"

گورُو صاحب سمجھاتے ہیں، کہ ہم نے شریر کے اندر شبد کی کمائی کر کے دیکھا ہے کہ پرماتما اور گورُو ایک ہی ہیں۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔
پھر لکھتے ہیں۔

"گور پرمیشور ایکو جان"

مَولانا رُوم فرماتے ہیں۔

"در بشر رُوپوش کرداست آفتاب"

یعنی اِنسان کے اندر آفتاب (رُوحانی) نے خُود کو پوشیدہ کر رکھا ہے۔
یہی تلسی شاہ سمجھاتا ہے۔

"مَولا آدمی بن آیا"

کبیر صاحب بھی یہی فرماتے ہیں۔

"رام کبیرا ایک ہے کہن سُنن کو دوئے
دُوئی کر سوئی جانے جے سنگورُ ملا نہ ہوئے"

حضرت عیسےٰ بھی فرماتے ہیں۔

"میری ہی پرتیت کرو، کہ میں پِتا میں ہُوں اور پِتا مُجھ میں ہے۔"
(یُوحنا ۱۴ : ۱۱)

اور پھر اسی بات کو دوہرایا ہے۔

"پِتا مُجھ میں ہے اور میں پِتا میں ہُوں۔" (یُوحنا ۱۰ : ۳۸)

یہی سوامی جی مہاراج فرماتے ہیں۔

"رادھاسوامی دھرا نر رُوپ جگت میں
گورُو ہوئے جیو چتائے"

رادھاسوامی سے مطلب اُس کُل مالک سے ہے۔
نام دیو جی بھی کہتے ہیں۔

"آتم رام دیہہ دھریو۔ تن من ہری کو دیکھو
کہت نام دیو بلی بلی جاؤں۔ ہری بھج اور نہ لیکھو"

شمس تبریزی بھی کہتے ہیں۔

"آں بادشاہِ اعظم در بستہ بُود محکم
پوشیدہ دلقِ آدم یعنی کہ بر درآمد"

اصلی گورو ہمیں باہری رسموں رواجوں میں نہیں پھنساتے۔ بلکہ اندر شبد کی کمائی کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ پورا گورو ہمیں شریر کے اندر ہی اصلی گھر جانے کا راستہ دکھاتا ہے۔ گورو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

"گھر میں گھر دیکھائے دے سو ستگورو پرکھ سجان ۔ پنچ شبد دھنکار دھن تہہ باجے شبد نشان"۔

یہی سوامی جی مہاراج کا تجربہ ہے:-

"گھر میں گھر گورو دِکھلادیں۔ دھن شبد پانچ بتلادیں"۔

مہاتما سمجھاتے ہیں۔ کہ ہمارے گھر سچکھنڈ پہنچنے تک ہمارے اندر پانچ منزلیں ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے بھی یہی اشارہ دِیا ہے۔

"میرے پتا کے گھر میں بہت سے رہنے کے ستھان ہیں"۔ (یوحنا ۱۴: ۲)

اور ہر ایک منزل کا اپنا اپنا شبد یا دھن ہے۔ سچا گورو ہمارے خیال کو اُن پانچ منزلوں سے لیجاکر پانچوں شبدوں یا دھنوں سے جوڑ کر ہمیں پرماتما تک پہنچا دیتا ہے۔ اصل میں شبد تو ایک ہی ہے۔ لیکن ہر منزل کے اندر اُس کی آواز جُدا جُدا ہے اور جُدا جُدا اثر ہے۔ مثال کے طور پر ایک دریا اپنے منبع سے نکلتا ہے۔ اور سمندر میں جاکر سماتا ہے۔ لیکن اُس دریا کی مختلف جگہوں پر مختلف آواز ہوتی ہے۔ جس جگہ سے نکلتا ہے' وہاں اُس کی اور آواز ہے۔ جس وقت بڑی بڑی چٹانوں اور کھڈوں میں سے گزرتا ہے' اُس کی اور آواز ہے۔ جس وقت وہ دریا کبھی آبشار بن جاتا ہے تو آواز میں پھر فرق آجاتا ہے جس وقت وہ میدانوں میں پھیلتا ہے' اُس کی اور آواز ہو جاتی ہے اور جب وہی دریا سمندر میں سماتا ہے تو آواز اور ہوتی ہے۔ لیکن ہر جگہ دریا ایک ہی ہوتا ہے۔ کبیر صاحب بھی اپنے مشہور شبد "کرنیوں دیدار محل میں پیارا ہے" میں پانچ شبدوں کا ہی ذکر کرتے ہیں۔ اور شبد کی سادھنا پر زور دیتے ہیں۔

"سادھو شبد سادھنا کیجے"

"جہ شبد سے پرگٹ بھئے سب۔ سوئی شبد گہہ لیجے"

مولانا روم صاحب فرماتے ہیں۔

"بہفتم فلک نوبت پنج یابی
چو خیمہ زشش جہت برکندہ باشی"

جب تو نچلے چھ چکروں سے نکل کر ساتویں آسمان میں پہنچ جائے گا تو وہاں پانچ نوبتیں بجتی ہوئی سُنے گا۔

اسی طرح شمس تبریز اپنے کلام میں لکھتے ہیں۔

"خاموش پنج نوبت بشنو ز آسمانے
کاں آسماں بیروں زاں ہفت واین شش آمد"

کہ خاموشی سے آسمان کی پانچ نوبتیں سُن۔ وہ آسمان ہمارے اِن سات آسمانوں اور چھ چکروں سے پرے ہے۔

پھر اور جگہ لکھتے ہیں۔

"ہر روز پنج نوبت بر درِ اُو
ہمی کوبند کوسِ کبریائی"

کہ ہر روز اُس کے دروازہ پر پانچ خُدائی نقارے بجتے ہیں۔

آنند صاحب میں ہم روز پڑھتے ہیں۔

"واجے پنچ شبد تت گھر سو بھاگے
گھر سو بھاگے، شبد واجے، کلا جت گھر دھاریا
پنچ دوت تدھ وس کیتے کال کنٹک ماریا"

کبیر صاحب فرماتے ہیں۔

"پنچے شبد اناحد باجے۔ سنگے سارنگ پانی
کبیر داس تیری آرتی کینی نرنکار نربانی"

بینی جی گرنتھ صاحب میں فرماتے ہیں۔

"پنچ شبد نرمائل باجے ۔ ڈھلکے چنور سنکھ گھن گاجے
دل مل دیہو گورمکھ گیان۔ بینی جاچے تیرا نام"

پورا گورو:-

پورا گورو وہی ہے' جو ان پانچوں شبدوں کے ذریعہ ہمیں اپنے سچے گھر لے جاتا ہے۔ سوامی جی مہاراج بھی یہی بانی میں لکھتے ہیں' کہ شبد سروپی شبد ابھیاسی گورو کی ہی تلاش کرنی چاہیے۔

"گورو سوئی جو شبد سنیہی ۔ شبد بنا دوسر نہیں سیئی
شبد کماوے سو گورو پورا ۔ اُن چرنن کی ہو جا دھورا
اور پہچان کرو مت کوئی ۔ لکھش الکھش نہ دیکھو سوئی
شبد بھید لے کر تم اُن سے ۔ شبد کماؤ تم تن من سے"

حضرت عیسےٰ بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ اگر پورا مہاتما نہیں ہوگا تو وہ خود معہ اپنے شاگردوں کر ڈوب جائے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"اور اندھا یدی اندھے کو مارگ دِکھائے تو دونوں گڑھے میں
گِر پڑیں گے۔"
(متی ۱۵ : ۱۴)

گورُو نانک صاحب بھی یہی سمجھاتے ہیں۔

"ستگورُو پُورا شبد سُنائے ۔ اَن دِن بھگت کرد لولائے"

پلٹُو صاحب بھی یہی سمجھاتے ہیں۔

"دُھن آنے جو گگن کی۔ سو میرا گورُو دیو"

پُورے اور سچے گورُو کی یہی پہچان ہے کہ وُہ ہماری آتما کو انحد شبد کے ساتھ جوڑ دیوے۔ جس کو ایسا گورُو مِل جاتا ہے، وُہ اندر سے اُونچی اور میٹھی اُس شبد کی آواز کو سُننا شروع کر دیتا ہے، جو کہ شُروع شروع میں گھنٹے جیسی آواز ہوتی ہے۔ گورُو ارجن دیو. پانچویں پاتشاہی لِکھتے ہیں۔

"گھنٹہ جا کا سُنئے چوُکنڈ"

گورُو نانک صاحب پھر پُورے گورُو کی مہما میں لِکھتے ہیں۔

"کہو نانک جس ستگورُو پُورا ۔ واجے تا کے انحد تُورا"

پھر فرماتے ہیں۔

"اکھنڈ کیرتن تِن بھوجن چُورا ۔ کہہ نانک جِس ستگورُو پُورا"

کہ بے انت اور کبھی بند نہ ہونے والا جو اُونچا اور سچا راگ ہے، وُہ انحد شبد ہی ہے۔ وُہ شبد ہی ہمیشہ ہمارے اندر گونجنے والی ربّی آواز ہے۔ سچا گورُو اپنے سیوک کو اُس شبد کے سُننے کا بھید اور طریقہ بتلاتا ہے۔ اُس انحد شبد کو اندر سُننا اور آخر اُس میں جا کر سما جانا بتلاتا ہے۔ گورُو خود اُس شبد یا نام کے ساتھ جُڑا ہوتا ہے۔ ہمیں بھی اُس شبد یا نام کے ساتھ جوڑ کر اُس پرماتما کے اندر سما دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ نے بھی بائیبل میں یہی اِشارہ دِیا ہے کہ تُم میرے اندر سمائے ہوئے ہو۔ مَیں اُس پرماتما کے اندر سمایا ہُوا ہُوں۔ اِس واسطے تُم بھی اُس پرماتما کے اندر سمائے ہوئے ہو۔ چُنانچہ وُہ یُوں سمجھاتے ہیں۔

"یدی تُم مُجھے جانا ہوتا، تو میرے پِتا کو بھی جانتے اور اب اُسے جانتے ہو اور اُسے دیکھا بھی ہے۔ جِس نے مُجھے دیکھا ہے اُس نے پِتا کو دیکھا ہے۔"
(یُوحنا ۱۴ : ۷، ۹)

سوامی جی مہاراج لِکھتے ہیں۔

"شبد بھید تُم گورُو سے پاؤ
شبد ماہیں پھر جاتے سماؤ"

دراصل گورُو کا اصلی رُوپ شبد ہی ہے۔ شریر تو اُس شبد نے صِرف دُنیا کے جیوں کو سمجھانے بُجھانے اور چتانے کے لئے ہی دھارن کر رکھا ہے، اور نہ ہی جیو کا اصلی رُوپ یہ شریر ہے۔ یہ شریر تو گورُو اور شِشیہ دونوں نے یہاں ہی چھوڑ جانا ہے شِشیہ کا اصلی رُوپ بھی وُہ آتما ہے، جو آخر میں جا کر اُس شبد میں ہی سمائے گی۔ گورُو اپنا شریر چھوڑ دینے کے بعد بھی شبد سرُوپ سے شِشیہ کی سنبھال کرتا ہے۔ حضرت عیسےٰ بائیبل میں کہتے ہیں۔

"یہ باتیں مَیں نے تُمہارے ساتھ رہتے ہوئے تُم سے کہیں۔
پرنتو سہائیک ارتھات پوِتر آتما جسے پِتا میرے نام سے بھیجے گا وُہ
تُمہیں سب باتیں سِکھائے گا اور جو کُچھ مَیں نے تُم سے کہا ہے وُہ
سب کُچھ تُمہیں سِمرن کرائے گا۔"

(یُوحنا ۱۴ : ۲۵، ۲۶)

یعنی جب مَیں اِس شریر کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا، تو وُہ مالک میرے نُورانی سرُوپ میں اُس شبد کو تُمہارے اندر پرگٹ کرے گا۔ اور پھر وُہ نُورانی سرُوپ تمہاری حفاظت اور رہنمائی کرے گا۔

گورُو دراصل شبد ہی ہے۔ جیوں کے لئے وُہ اِس دُنیا میں شریر دھارن کر کے اُن کو مالک تک پہنچانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور پھر اپنا کام پُورا کر کے اُس شبد میں ہی جا سماتا ہے۔ اِسی طرح جیو کی آتما بھی اُس شبد کی ہی کِرن ہے، اور کِسی سچے گورُو کو پا کر وُہ بھی واپس اُسی شبد میں ہی جا سماتی ہے۔ گورُو نانک صاحب بھی یہی فرماتے ہیں۔

"شبد گورُو سُرت دُھن چیلا"

جو مہاتما پہلے ہُو چکے ہیں وُہ پُورن مہاتما تھے۔ لیکن ہم اُن سے اب فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ ہم کو اب کِسی زِندہ، دیہہ دھاری مہاتما کی کھوج کرنی پڑے گی۔ اگر کوئی بیمار آجکل کہے کہ اُس نے لُقمان سے اپنا عِلاج کرانا ہے تو وُہ اب اُس کا علاج کرنے کے لئے نہیں آئے گا۔ اُس کو کِسی موجُودہ ڈاکٹر یا حکیم کے پاس جانا پڑے گا۔ اگر کوئی سِکھ کہے کہ وُہ اپنے مُقدمے کا فیصلہ مہاراجہ رنجیت سنگھ سے کرائے گا تو اب مہاراجہ رنجیت سنگھ اُس کا فیصلہ کرنے نہیں آئے گا۔ اُس کو اب کِسی موجُودہ مجسٹریٹ یا حاکم کی عدالت میں ہی جانا ہوگا۔ اگر کوئی عورت کہے کہ وُہ راجہ بکرماجیت سے شادی کرانا چاہتی ہے تو اب راجہ بکرماجیت اُس سے شادی کرنے نہیں آئے گا۔ اِس لئے وقت کا حکیم، وقت کا حاکم اور اِستری کا موجُودہ پتی ہی اِس وقت کام آسکتے ہیں۔ اِسی طرح ہم کو بھی موجُودہ گورُو کی ضرورت ہے اور اُسی سے ہمارا کام بن سکتا ہے۔ یہی اِشارہ حضرت عیسیٰ نے بائیبل میں یُوحنا اصطباغی JOHN THE BAPTIST

کے بارے میں کہا ہے۔

"وہ تو جلتا اور چمکتا ہوا دیپک تھا اور تمہیں کچھ دیر تک اس کی جیوتی میں مگن ہونا اچھا لگا۔ (یوحنا ۵ : ۳۵)

پھر اپنے بارے میں حضرت عیسیٰ خود بالکل صاف لفظوں میں کہتے ہیں۔

"جس نے مجھے بھیجا ہے ہمیں اس کا کام دن ہی دن میں کرنا اوشیہ ہے۔ وہ رات آنے والی ہے، جس میں کوئی کام نہیں کر سکتا۔ جب تک میں جگت میں ہوں تب تک جگت کی جیوتی ہوں"۔

(یوحنا ۹ : ۴، ۵)

گورو کی ضرورت صرف اس واسطے ہے کہ وہ ہمارے جیسا انسان ہو کر ہمیں ہر چیز اچھی طرح سمجھا سکتا ہے۔ اگر ہم موجودہ گورو کے بغیر ہی مالک کی بھگتی کر سکتے تو جن پرانے مہاتماؤں کی ہم آج ٹیک لئے بیٹھے ہیں، وہ کیوں دیہہ میں آتے۔ وہ اپنا کام کر کے پھر اسی پرماتما کے مرتبے پر جا کر اسی پرماتما میں سما گئے ہیں۔ اب تو ہمیں اس زندہ مہاتما کی ضرورت ہے، جو ہم جیسا انسان ہو کر ہمیں سمجھائے دنیا کا کوئی بھی کام ہم استاد کے بغیر نہیں سیکھ سکتے۔ آپ دیکھئے کہ انجینیئری اور ڈاکٹری پر کتنی کتنی لوگوں کی تحقیقات کی کتابیں لائبریریوں میں بھری پڑی ہیں۔ لیکن کوئی شخص ایسا نہیں ملے گا جو اُن کتابوں کو پڑھ کر ہی انجینیئر یا ڈاکٹر بن گیا ہو۔ پندرہ بیس سال استادوں کی صحبت و سنگت کر کے، محنت کر کے اُن علموں کی واقفیت ہوتی ہے اور اس کے بعد ہمیں پریکٹیکل ٹریننگ تک لینی پڑتی ہے، تب جا کر کہیں اُن علموں کی واقفیت ہوتی ہے۔ ہمیں بچپن سے ہی ہر مرحلے پر ہر منزل پر کسی استاد یا رہبر کی ضرورت رہی ہے۔ روحانیت کا مسئلہ تو بہت ہی پیچیدہ ہے۔ جب تک کوئی ہم کو ایسا رہبر نہ ملے، جو اندر کی روحانی منزلوں پر گیا ہو اور ہم اس کے تجربے سے فائدہ نہ اٹھائیں، تب تک ہم کبھی اندر ایک قدم بھی نہیں جا سکتے۔ بیشک ہمارا اصلی گورو وہ شبد یا نام ہے، جو کہ ہمارے سب کے اندر ہے۔ لیکن پھر بھی ہم اس شبد کو اپنے اندر پکڑ نہیں سکتے، جب تک وہی شبد یا نام دیہہ دھارن کر کے یعنی انسانی جامہ میں گورو ظاہر ہو کر ہماری مدد نہ کرے۔ گورو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"بانی گورو گورو ہے بانی وچ بانی امرت سارے۔ گورو بانی کہے سیوک جن مانے پرتکش گورو نستارے"

کہ گورو شبد ہے اور شبد گورو ہے اور اس شبد کے اندر ہی اصلی امرت ہے۔ گورو اس شبد کا ہی اشارہ کرتا ہے۔ ششیہ اس کو مان کر اپنے خیال کو شبد سے جوڑتا ہے۔ لیکن مکتی صرف دیہہ دھاری گورو ہی دے سکتا ہے۔ کیونکہ ہم انسان ہیں، ہم انسان ہی گورو چاہتے ہیں۔ جس سے ہم سب کچھ پوچھ سکیں بول سکیں! اس سے پیار کر سکیں اور جو ہمارے اندر اس شبد کی دھار کو پرگٹ کر سکے۔ پچھلے مہاتما یا

اُن کی لکھی ہوئی کتابیں یہ کام نہیں کر سکتیں۔ لیکن وہ مہاتما پورن تھے۔ جو اُن کی سنگت و صحبت میں آئے اُن کو وہ فائدہ پہنچا گئے۔ جب تک ہم نے پرماتما کو نہیں دیکھا، ہم اُس سے کس طرح پیار کر سکتے ہیں۔ یہ صرف ہمارے من کی بھول ہے۔ اسی طرح جو مہاتما پہلے ہو گئے ہیں اُن سے ہمارا پیار کرنا بھی ایک جھوٹی اور بیفائدہ من کی کلپنا ہے۔ کیونکہ اب وہ پرماتما کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ اس دنیا میں نہیں۔ ہمارا اُن کے ساتھ کسی طرح سے بھی سیدھا تعلق پیدا نہیں ہو سکتا۔ اب تو کوئی زندہ دیہہ دھاری گورو ہی ملے، تب ہی ہمارا اُس کے ساتھ پیار پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اُس کا ہی پیار ہم کو پرماتما کے پیار میں لگا سکتا ہے۔

سچے اور پورے گورو دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو سیدھے سچ کھنڈ سے آتے ہیں اور جنم سے ہی سنت ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ جو شبد کی کمائی کر کے اپنے گورو کی دیا مہر کے ساتھ سچکھنڈ تک پہنچ جاتے ہیں اور اپنی زندگی میں ہی سنت بن جاتے ہیں جب ہم کسی ایسے مہاتما کی شرن حاصل کرتے ہیں، وہ ہم کو نام دے کر بےفکر نہیں ہو جاتے بلکہ ہم کو دھر دھام پہنچانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ گورو ارجن صاحب فرماتے ہیں۔

"گورو میرے سنگ سدا ہے نالے"

پھر فرماتے ہیں۔

"گورو کی دات نہ میٹے کوئے۔ جس بخشے تس تارے سوئے"

حضرت عیسیٰ کہتے ہیں۔

"اور میں اُنہیں اننت جیون دیتا ہوں اور وہ کبھی ناش نہ ہونگے اور کوئی اُنہیں میرے ہاتھ سے چھین نہ لے گا۔"

(یوحنا ۱۰ : ۲۸)

جن پر سنگورو اپنی چھاپ لگا دیتے ہیں۔ انکو پھر جمدوتوں کے ساتھ نہیں جانا پڑتا۔ جو وہ نام کی بخشش کرتے ہیں، اُس بخشش کو ہمارے سے کوئی نہیں چھین سکتا۔

ایک جگہ زوردار لفظوں میں بھی حضرت عیسےٰ نے کہا ہے:۔

"پرتھوی اور آکاش ٹل جائیں گے پرنتو میری بات نہیں ٹلے گی"۔

(متی ۲۴ : ۳۵)

یعنی یہ زمین اور آسمان چاہے فانی ہو جائیں۔ لیکن میرا بتلایا ہوا شبد کبھی ضائع نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح سوامی جی مہاراج فرماتے ہیں۔

"ستگت ڈاریا بیج گھٹ دھرتی جیہہ جیو کے
کو اس سمرتھ ہوئے جو جارے اس بیج کو"

پانچویں پاتشاہی گورو ارجن دیوجی فرماتے ہیں۔

"میرا گورو پرمیشور سُکھ داتی۔ پاربرہم کا نام درڑھاوے انتے ہوئے سکھاتی"

ایسے ستگورو موت کے وقت سیوک کو خود لینے آتے ہیں اور جمدوتوں کے ساتھ نہیں جانے دیتے گورو ہمارا سچا دوست اور محافظ ہے۔ صرف اس دنیا میں ہی نہیں بلکہ موت کے وقت بھی وہی نوری سروپ ہماری مدد اور رکھوالی کرتا ہے۔ گورو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"سجن سیئی نال میں چل دیا نال چلن
جتھے لیکھا منگیئے تتھے کھڑے دِسن"

پھر گورو ارجن دیوجی لکھتے ہیں۔

"نانک کچڑیاں سیوں توڑ۔ ڈھونڈ سجن سنت پکیاں
اوئے جیوندے وچھڑیہہ۔ اوئے مویاں نہ جاہی چھوڑ"

دنیا میں ہمارے بہت سے رشتہ دار دوست، یار ہم سے جیتے جی ہی الگ ہو جاتے ہیں۔ آخر تک تو شاذ و نادر ہی کوئی دوست مشکل سے رہتا ہے۔ لیکن سنت وہ اصلی دوست ہیں، جو موت کے وقت بھی ہمیں نہیں چھوڑتے۔ بلکہ ہم کو جمدوتوں کے پنجوں سے بھی چھڑاتے ہیں۔ ایسے گورمکھوں کی شرن میں آنے کے بعد ہمارا دھرم رائے کا حساب کتاب ختم ہو جاتا ہے۔ گورو صاحب فرماتے ہیں۔

دھرم رائے در کاغذ پھاڑے۔ جن نانک لیکھا سمجھا"

پھر لکھتے ہیں۔

"امرت نام کل بکھ سب کاٹے۔ دھرم رائے کے کاگد پھاٹے"

اور

"دھرم رائے اب کیا کرے گو جو پھاٹو سگلو لیکھا"

حضرت عیسیٰ بائبل میں کہتے ہیں۔

"دھنیہ ہیں وہ جو پرمیشور کا وچن سنتے ہیں اور مانتے ہیں۔"

(لوقا ۱۱ : ۲۸)

یعنی وہ کتنے خوش قسمت ہیں، جو اپنے اندر اس شبد کو سنتے ہیں۔ آگے پھر کہتے ہیں۔

"جو تیرا وچن سنتا ہے۔۔۔ اننت جیون اس کا ہے۔۔۔۔
وہ مرتیو سے پار ہو کر جیون میں پرویش کر چکا ہے۔" (یوحنا ۵ : ۲۴)

جن کو میں اس شبد سے جوڑ دیتا ہوں، وہ موت کے پنجے سے چھوٹ کر ہمیشہ کے لئے ابدی

زندگی حاصل کر لیتے ہیں۔

ایسے ایسے مہاتما دنیا میں آتے لیکن بہت کم۔ ہر ایک یگ کے اندر سچے متلاشیوں کو شبد یا نام کا راستہ بتلانے کے لئے مہاتما آتے رہتے ہیں۔ گورو نانک صاحب لکھتے ہیں۔

"جگ جگ سنت بھلے پربھ تیرے"

یہ نہیں کہ پورن مہاتما کسی خاص وقت پر ہی آتے ہیں۔ اور نہ ہی وہ کسی خاص ملک یا خاص قوم سے بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہر ایک یگ میں مہاتما ہوتے آتے ہیں اور وہ کسی بھی قوم، مذہب یا ملک کے اندر آ سکتے ہیں۔ گورو صاحب فرماتے ہیں۔

"ہر جگو جگو جگ جگو جگو سد پیڑھی گورو چلندی"

اور "جگ جگ پیڑھی چلے ستگور کی۔ جنی گورمکھ نام دھیایا"

ایک وقت کے اندر ایک سے زیادہ مہاتما بھی ہو سکتے ہیں۔ ایسے مہاتما دنیا میں سوسائٹی یا قوم پر بوجھ بن کر نہیں آتے بلکہ اپنی محنت کی کمائی کر کے سادھ سنگت کی مفت سیوا کرتے ہیں۔ گورو نانک صاحب نے خود اپنے ہاتھوں سے کھیتی کی۔ اپنے بال بچوں کی پرورش کی اور سادھ سنگت کی مفت سیوا کی اور بانی میں سمجھاتے ہیں۔

"گورو پیر سدائے منگن جائے۔ تا کے مول نہ لگیئے پائے
گھال کھائے کچھ ہتھوں دے۔ نانک راہ پچھانے سے"

کہ اگر کوئی گورو اور پیر بن کر اپنے شِشیوں اور سیوکوں سے مانگتا پھرتا ہے، تو اس کے چرنوں پر ماتھا ہی مت ٹیکو۔ جو مہاتما خود اپنی محنت کی کمائی کر کے اپنا جیون گزارتا ہے اور سادھ سنگت کی مفت سیوا کرتا ہے، ایسے مہاتما کی کھوج کرنی چاہیئے۔ حضرت عیسےٰ بھی بائبل میں کہتے ہیں۔

"تم نے سیت میت پایا ہے، سیت میت دو۔" (متی ۱۰ : ۸)

کبیر صاحب کی زندگی کے حالات سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ آپ نے تمام عمر کپڑے بُن کر گزارہ کیا اور اپنے بال بچوں کی پرورش کی۔ اور سادھ سنگت کی مفت سیوا کی، حالانکہ شاہ بلخ بخارا جیسے آپ کے سیوک تھے، جو آپ کو دنیا کی ہر نعمت اور آرام دے سکتے تھے۔ آپ اپنی بانی میں لکھتے ہیں۔

"شِشیہ کو ایسا چاہیئے گورو کو سرو سیہ دے
گورو کو ایسا چاہیئے شِشیہ کا کچھو نہ لے"

پھر فرماتے ہیں۔

"مر جاؤں مانگوں نہیں اپنے تن کے کاج
پرمارتھ کے کارنے موہے نہ آوے لاج"

سنت مہاتما ہمارا روپیہ پیسہ دُنیا کے فائدے میں لگا دیتے ہیں، تاکہ ہماری کمائی نیک اور سپھل ہو سکے۔ مگر اپنے واسطے کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ سوامی جی مہاراج بھی یہی فرماتے ہیں۔

"گورُو نہیں بھُو کا تیرے دھن کا ۔ اُن پہ دھن ہے بھگتی نام کا
پر تیرا اُپکار کرا دیں ۔ بھُوکھے پیا سے کو دِلوا دیں"

مہاتما روی داس نے بھی ساری عمر جوتیاں گانٹھ کر گزارہ کیا۔ حالانکہ راجہ پیپا جو ایک کھشتری راجپوت تھا، آپ کا سیوک تھا۔ اور میراں بائی بھی جو کہ میواڑ کی رانی تھی، آپ کی سیوکا (شِشیہ) تھی میراں بائی کی زندگی کے حالات کے اندر آیا ہے کہ اُس کو برادری والوں نے طعنہ مارا کہ خُود تو محلوں کی رانی بنی بیٹھی ہے اور گورُو جوتیاں گانٹھنے کا کام کرتا ہے۔ سیوکوں کے لئے گورُو کے متعلق طعنہ سُننا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اُس نے ایک قیمتی ہیرا لے کر روی داس جی کے رُوبرُو جا کر عرض کی کہ اے گورُو دیو! لوگ مجھ کو طعنہ دیتے ہیں۔ آپ اِس ہیرے کو فروخت کر کے اپنے لئے ایک اچھا مکان بنا کر عزّت کی زندگی بسر کریں۔ لیکن روی داس مہاتما نے سمجھایا۔ کہ بیٹی! مجھکو تو جو کچھ بھی حاصل ہُوا ہے، وُہ اِن جوتیوں کے گانٹھنے سے اور اس کُونڈ کے پانی میں سے ملا ہے۔ مہاتما زندگی کی مثال بن کر دِکھلاتے ہیں کہ کس طرح دُنیا میں رہتے ہوئے دُنیا کے کام کاج کرتے ہوئے، مالک کی بھگتی کرنی ہے۔ مہاتما یہ نہیں کہتے کہ گھر بار چھوڑ کر جنگلوں، پہاڑوں کی طرف چلے جاؤ۔ اور سنیاس وغیرہ دھارن کر لو۔ جنگلوں، پہاڑوں میں جا کر ہمارے اندر مالک کے ملنے کا کوئی خاص شوق اور پیار پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وُہی خواہشیں وُہی ترشنا ہمارے اندر وہاں بھی دبی رہ جاتی ہیں۔ جس وقت پھر دُنیا کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وُہی ہماری خواہشات ہم کو پھر اُنگلیوں پر نچانا شروع کر دیتی ہیں۔ بلکہ عام اِنسانوں سے بھی ہماری حالت بدتر اور بُری ہو جاتی ہے۔ ہمیں دُنیا کے اندر کس چیز کی ضرُورت ہے؟ جسم کو ڈھکنے کے لئے، گرمی اور سردی سے بچانے کے لئے کپڑے کی ضرُورت ہے اور پیٹ کو بھوجن اور کھانے کی ضرُورت ہے۔ اور رہنے کے واسطے کسی سایہ (کُٹی) یا مکان کی ضرُورت ہے۔ اِن ضرُورتوں کو ہم جتنا بھی چاہیں بڑھا لیں یا کم کر لیں۔ لیکن جہاں بھی ہم جاتے ہیں یہ ضرُوریات ہمارے ساتھ ہی جاتی ہیں۔ جنگلوں، پہاڑوں میں جانے سے کیا ہوتا ہے۔ ہم سفید کپڑے اُتار دیتے ہیں، بھگوے کپڑے پہن لیتے ہیں۔ لیکن کپڑے کی ضرورت پھر بھی محسُوس ہُوئی۔ اپنی ایک استری کے ہاتھ کا بنا بھوجن چھوڑ کر لوگوں کے آگے جا کر پیٹ کی خاطر ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے، لیکن پیٹ نے کھانا تو پھر بھی مانگا۔ اپنے گھر کا سُکھ اور آرام چھوڑ کر غاروں اور خندقوں کا یا کسی آشرم کا سہارا لیا۔ کسی نہ کسی جگہ کی سر ڈھکنے کے لئے تو پھر بھی ضرُورت پڑی۔ ہمارے سے اِن چیزوں میں سے کوئی بھی چیز نہیں چھُوٹی، اُلٹا ہم اپنا

بوجھ سوسائٹی پر ڈال دیتے ہیں۔ اور آلسی بن جاتے ہیں۔ لوگوں کی کئی قسم کی خوشامدیں کرنی پڑتی ہیں اور کئی طرح کے جھُوٹ سچ اپنے پیٹ کی خاطر بولنے پڑتے ہیں۔ مہاتما ہم کو سمجھاتے ہیں کہ دُنیا میں سُورما اور بہادر بن کر رہنا ہے۔ دُنیا میں رہتے ہوئے بھی دُنیا کی آلائشوں میں نہیں پھنسنا۔ گورُو نانک صاحب بڑی اچھی مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔

"جیسے جل میں کنول نِرالم مُرغائی نیسانے
سُرت شبد بھو ساگر ترِیئے نانک نام بکھانے"

جس طرح کنول کا پھُول پانی کے باہر رہتا ہے، حالانکہ اُس کی ڈنڈی اور جڑ پانی کے اندر ہوتی ہیں۔ جس طرح مُرغابی پانی کے اندر رہتے ہوئے بھی خُشک پروں سے اُڑ جاتی ہے اِسی طرح ہم کو دُنیا میں رہتے ہوُئے اپنی سُرت کو شبد کے ساتھ اندر جوڑ کر اس بھو ساگر سے پار ہونا ہے۔ ایک مکھی جو شہد کے کنارے پر بیٹھتی ہے۔ وُہ شہد کی لذّت بھی لے لیتی ہے اور صحیح سلامت اُڑ بھی جاتی ہے۔ لیکن اگر وُہ مکھی شہد کے اندر بیٹھ جاوے، تو وُہ تڑپ تڑپ کر اپنی جان دے دیتی ہے۔ دُنیا میں اِس طریقے سے رہنا ہے، جس طرح ایک شادی شُدہ لڑکی اپنے ماتا پتا کے پاس رہتی ہے۔ وُہ ماتا پتا کی سیوا بھی کرتی ہے۔ اپنی سکھی سہیلیوں سے کھیلتی اور بات چیت بھی کرتی ہے اور گھر کا کام کاج بھی کرتی ہے۔ لیکن ماتا پتا کے گھر رہتے ہوتے بھی وُہ اپنے پتی کو کبھی نہیں بھُولتی۔ اُس کا من ہمیشہ اپنے پتی کے پیار میں مست رہتا ہے۔ اِسی طرح ہم نے دُنیا میں رہتے ہوُئے، دُنیا کے لین دین کا حساب ختم کرتے ہوُئے، اپنی لِو اُس مالک کی بھگتی اور پیار میں رکھنی ہے۔ اس واسطے اصلی مہاتما ہمیں یہی اُپدیش کرتے ہیں کہ اپنے گھر بار میں رہتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی محنت کی کمائی کرتے ہوئے مالک کی بھگتی کرو۔ ہم نے ایسے مہاتما کی کھوج کر کے ہی اُن سے شبد یا نام کا بھید لینا ہے۔ گورُو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"سنتو گورُ نکھ پُورا پائی۔ نامو پُوج کرائی"

سچی پُوجا اور بھگتی

گورُو امر داس جی فرماتے ہیں۔

"سچے سبد سچی پت ہوئی۔ بِن نانے مُکت نہ پائے کوئی۔
بِن ستگورُو کو ناؤں نہ پائے۔ پربھ ایسی بنت بنائی ہے"

کہ مالک نے اپنے ملنے کے واسطے یہی قدرتی قانُون بنایا ہے کہ سچے شبد یا نام کی کمائی کے بغیر ہم کبھی

بھی مُکتی حاصل نہیں کر سکتے اور گورمکھوں کے بغیر ہمیں نام کی کمائی کرنے کا طریقہ اور سادھن ہی پتہ نہیں لگتا۔ حضرت عیسیٰ بھی اُس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

"میں تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں۔ یدی کوئی نئے سِرے سے نہ جنمے تو
پرمیشور کا راجیہ نہیں دیکھ سکتا۔ (یوحنا ۳ : ۳)

یعنی جب تک تُم نیا جنم نہیں لو گے، تُم کبھی بھی اُس پرماتما کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتے نیا جنم لینے سے مطلب اُس نام یا شبد سے لگنا ہے، جس کو پاکر ہمارا تعلق اس ناشوان دُنیا سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اور ہم اپنے پرماتما کے گھر جانے کے حقدار بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ گورُو صاحب نے اپنی بانی میں فرمایا ہے کہ۔

"ستگورُو کے جنمے گون مِٹایا"

ایک اور جگہ حضرت عیسٰے فرماتے ہیں۔

"تُم تو اس وچن کے کارن جو مَیں نے تُم کو کہا ہے، شُدھ ہو۔"
(یوحنا ۱۵ : ۳)

کہ مَیں نے جو تمہیں شبد سے لگایا ہے، اُس نے تم کو گناہوں سے آزاد کر دیا ہے۔

وُہ مالک خُود مُختار ہے۔ جو چاہے اپنے مِلنے کا طریقہ بنا سکتا ہے۔ اِس میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔ جو بھگتی اُس پرماتما کو منظور ہے، وُہ شبد یا نام کی کمائی ہے۔ گورُو امر داس صاحب سمجھاتے ہیں۔

"بِن نامے ہور پوُج نہ ہووی بھرم بھُلی لوکائی"

کہ دُنیا فضول بھرموں میں پھنس کر اس چوراسی کے جیل خانہ میں بھُولی ہوئی ماری ماری پھرتی ہے اُس نام کے بغیر تو مُکتی کا کوئی اور راستہ ہی نہیں۔ پھر سمجھاتے ہیں۔

"نام وِسار چلے اَن مارگ۔ انت کال پچھتائی ہے"

یعنی نام کی کمائی کرنے کا راستہ چھوڑ کر اگر ہم کسی اور راستے پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں تو آخر مَوت کے وقت پچھتانا پڑتا ہے، کہ یونہی اپنے قیمتی وقت کو فضول باتوں میں ضائع کر دیا۔ آپ پھر سمجھاتے ہیں۔

"بِن نامے در ڈھوئی ناہیں۔ تاں جم کرے خواری"

شبد یا نام کی کمائی کے بغیر مالک کی درگاہ میں جانے کی کبھی اجازت نہیں ملتی۔ جمدوتوں کے ہاتھوں خراب ہونا پڑتا ہے۔ یہی سوامی جی مہاراج فرماتے ہیں۔

"گورُو کہیں کھول کر بھائی۔ لگ شبد انا حد جائی"

"بِن شبد اُپاؤ نہ دُوجا۔ کایا کا چھُٹے نہ کُوزہ"

شبد یا نام کی کمائی کے بغیر اور کوئی اُپاؤ اور طریقہ نہیں ہے کہ جس سے ہم دیہہ کے بندھنوں سے چھُٹکارہ حاصل کر سکیں۔ باقی جو بھی سادھن ہیں، جپ تپ، پُوجا پاٹھ، پُن دان وغیرہ اِن سب کا پھل ہم کو ضرور ملتا ہے لیکن اُن کا پھل لینے کے لئے ہمیں پھر دیہہ کے بندھنوں میں آنا پڑتا ہے۔ راجے مہاراجے ہو کر آجاتے ہیں۔ سیٹھ ساہوکار بن جاتے ہیں۔ قوموں، مذہبوں اور مُلکوں کی حکومت حاصل کرکے آجاتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ بیکنٹھوں اور سورگوں تک پہنچ جائیں گے۔ لیکن وُہ بھی بھوگ جُونیاں ہیں، کسی خاص میعاد کے واسطے ہیں۔ اُس کے بعد ہم کو پھر اسی چوراسی کے جیل خانہ میں آنا پڑتا ہے لیکن نام کی کمائی ہم کو ہمیشہ کے واسطے دیہہ کے بندھنوں سے آزاد کر دیتی ہے۔ گورُو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

"سچوں اورے سب کو۔ اُوپر سچ آچار"

کہ ان سب چیزوں کا پھل ہمیں شبد کی کمائی کے پھل کے نیچے نیچے رکھتا ہے۔ یعنی ہم کال کے دائرے کے اندر ہی رہتے ہیں۔ شبد کی کمائی کا پھل سب سے اُونچا ہے۔ وُہ ہم کو کال کے دائرے سے پار لے جاتا ہے۔ کیونکہ وہی چیز ہم کو من اور مایا کے دائرے سے باہر لے جا سکتی ہے جو من اور مایا کے دائرے سے پرے سے آتی ہو۔ وُہ شبد سچ کھنڈ سے اُٹھتا ہے۔ کال کی حد برہم اور ترلوکی تک ہے۔ اِس واسطے ہم شبد کو پکڑ کر کال کے دائرے سے پار چلے جاتے ہیں۔ سوامی جی مہاراج فرماتے ہیں۔

"شبد کمائی کر ہے بیت ۔ شبد پرتاپ کال کو جیت
شبد گھاٹ تُو گھٹ میں دیکھ ۔ شبد ہی شبد پیو کو پیکھ
شبد کرم کی ریکھ کٹاوے ۔ شبد شبد سے جائے مِلاوے
شبد بِنا سب جھُوٹھا گیان ۔ شبد بِنا سب تھوتھا دھیان
شبد چھوڑ مت ارے اجان ۔ رادھا سوامی کہیں بکھان

گورُو نانک صاحب بھی یہی کہتے ہیں۔

"ہر نامے تُل نہ پُجئی سب ڈِٹھی ٹھوک وجائے"

کہ ہم نے اچھی طرح تجربہ کرکے دیکھ لیا ہے کہ کوئی چیز نام بھگتی کا مُقابلہ نہیں کر سکتی۔ پھر آپ لِکھتے ہیں۔

"سُوہٹ پنجر پریم کے بولے بولنہار
سچ چُگے امرت پِیئے اُڈے تاں ایکا وار"

ہماری آتما طوطا ہے اور یہ شریر ایک پنجرہ ہے۔ جس طرح ایک طوطا پنجرے سے پیار ڈال کر قسم قسم کی بولیاں بولتا ہے۔ اسی طرح ہماری آتما بھی اس شریر سے پیار لگائے بیٹھی ہے۔ کبھی اُس کے اندر بیٹھ کر رُوتی ہے، کبھی ہنستی ہے۔ کبھی سُکھ اور کبھی دُکھ محسُوس کرتی ہے اگر ہماری آتما اِس دیہہ کا پیار چھوڑ دے اور اس کے اندر جو پرماتما نے بیج یا شبد کا بھوجن رکھا ہے، اُس کو گرہن کرنے لگے اور اُس شبد رُوپی امرت کو پینا شُروع کر دے تو یہ ہمیشہ کے واسطے اِس دیہہ کے بندھنوں سے آزاد ہو جائے۔ گورُو ارجن صاحب ایک اور بڑی اچھی مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔

"انِک کرم کیئے بہتیرے۔ جو کیجے سو بندھن پیرے
کرُو تا بیج بیجے نہیں جمے۔ سبھ لاہا مُول گوائیندا
کلجگ مہِ کیرتن پردھانا۔ گورمکھ جپئے لائے دھیانا
آپ ترے سگلے کُل تارے۔ ہر درگہ پت سیئوں جائیندا"

نام کی کمائی کے بغیر جو بھی ہم سادھن یا طریقے مُکتی حاصل کرنے کے لئے اختیار کرتے ہیں، وہ ہمیں اور زیادہ دیہہ کے بندھنوں میں پھنسا دیتے ہیں۔ اگر ہم زمین کے اندر ایک بے موسمی بیج بوتے ہیں تو کتنا بھی ہم اُس زمین میں ہل چلا لیں، اچھی سے اچھی کھاد ڈال لیں اور پانی وغیرہ بھی وقت پر دے لیں، وہ فصل کبھی بھی ہمارے گھر نہیں آسکتی، ہماری تمام محنت، بیج اور خرچ سب فضُول چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح کلجگ کے اندر آ کر جو مُکتی حاصل کرنے کا اصلی بیج ہے، وہ شبد یا نام کی کمائی ہے۔ جس کے متعلق ہم کو صرف پُورے گورمکھوں سے ہی پُوری پُوری جانکاری ہو سکتی ہے۔ سوامی جی مہاراج بھی لکھتے ہیں۔

"کلجگ کرم دھرم نہیں کوئی۔ نام بنا اُدھار نہ ہوئی"

گورُو صاحب بھی فرماتے ہیں۔

"کلجگ رام نام بوہتھا۔ گورمکھ پار لنگھائی"

کلجگ میں آ کر اگر کوئی اُونچے سے اُونچا، سریشٹ سے سریشٹ کرم ہے، وہ صرف نام کی کمائی ہے اِس نقطے کو گورُو امرداس صاحب اور بھی اچھی طرح سمجھاتے ہیں۔

"اِس جگ کا دھرم پڑھو تُم بھائی۔ پُورے گورُو سب سوجھی پائی
ایتھے اگے ہر نام سکھائی"

چار یُگ ایک دوسرے کے بعد چکر لگا رہے ہیں اور ہر ایک یُگ کے اندر ہماری زندگی کے بالکل مختلف قسم کے حالات ہوتے ہیں۔ ست یُگ میں ہماری عمریں بہت لمبی تھیں۔ ہماری

صحت بھی اچھی تھی اور ہمارا خیال بھی دُنیا میں کوئی خاص پھیلا ہوا نہیں تھا۔ معمولی سے اِشارہ سے ہمارا خیال مالک کی بھگتی کی طرف ہو جاتا تھا۔ جیسے جیسے یُگ پلٹتے گئے، عمریں بھی چھوٹی ہوتی گئیں، صحت بھی کمزور ہوتی گئی اور خیال بھی دُنیا کے اندر بالکل پھیل گیا۔ جو سادھن ہم کو ست یُگ میں کام دیتے تھے۔ وہ اب کلجگ میں کام نہیں دے سکتے۔ کلجگ میں تو ہر ایک کا تجربہ ہے کہ کوئی خوش قسمت اِنسان ہی ستر یا اَسّی سال گُزار جاتا ہے اور صحت بھی اِتنی کمزور ہے کہ ایک گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بھی لگاتار ہم مالک کی بھگتی ایک آسن پر بیٹھ کر نہیں کر سکتے اور خیال بھی اِتنا پھیلا ہُوا ہے کہ پانچ منٹ بھی کسی مسئلے کو سوچنے کے لئے ہمارا من پُوری توجہ سے نہیں ٹِک سکتا۔ آپ سمجھاتے ہیں کہ اگر ہم کلجگ میں آ کر زندگی کے چند روز سُکھ اور شانتی سے گُزارنا چاہتے ہیں اور واپس جا کر پرماتما سے مِلنا چاہتے ہیں تو صرف نام کی کمائی کا ہی راستہ ہے۔ کلجگ میں آ کر تو مہاتماؤں نے بڑا کھول کر نام کا پرچار کیا ہے۔ ہمارا من ہمیں اُس شبد یا نام کی کمائی کی طرف جانے ہی نہیں دیتا۔ بلکہ ہمیشہ پُوجا پاٹھ کرم کانڈ، جپ تپ، پُن دان وغیرہ کے اندر ہی لگائے رکھتا ہے۔ گورُو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"پُوجا کرے سب لوک سنتو۔ من مُکھ تھائے نہ پائی
شبد مرے من نرمل سنتو۔ ایہہ پُوجا تھائے پائی"

ہم سب دُنیا کے جیو اپنی عقل کے مُطابق اُس پرماتما کی بھگتی کرنے کی ضرور کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ آتما کا رجحان اپنے اصل کی طرف ہی زور مارتا ہے۔ اُس کے زیر اثر ہو کر ہم پرماتما کو ڈھونڈتے ہیں لیکن من کے پیچھے لگ کر مالک کی بھگتی کرتے ہیں۔ یہ بھگتی ہم کو کبھی بھی ہمارے ٹھکانے پر نہیں پہنچاتی۔ ہمارا ٹھکانہ سچ کھنڈ ہے اور من کی حد برہم تک ہی رہ جاتی ہے شبد یا نام کی کمائی کرنے سے ہی ہمارا من نرمل ہوتا ہے۔ اور یہ نام کی کمائی ہی ہمیں اپنے اصلی ٹھکانے یعنی اصلی گھر سچکھنڈ پہنچاتی ہے۔ ہر ایک بھگتی ہم کو پرماتما سے نہیں مِلاتی۔ بلکہ صرف نام کی کمائی ہی مالک تک لے جاتی ہے۔ سوامی جی مہاراج سمجھاتے ہیں۔

"اب یہ دیہہ ملی کر پاے۔ کرو بھگتی جو کرم دہا"

یہ اِنسان کا جامہ مالک کی بڑی بخشش سے پراپت ہُوا ہے۔ اِس کے اندر بیٹھ کر وہ بھگتی کرو جو کہ صرف شبد یا نام کی کمائی ہے، جس سے کرموں کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے گورُو امرداس صاحب سمجھاتے ہیں۔

"پُوجا کرے پر بِدھ نہیں جانے۔ دُوجے بھائے مل لائی"

ہمیں اصلی بھگتی کرنے کا طریقہ پتہ نہیں لگتا۔ غلط راستے پر پڑ کر اپنے پاپوں اور میلوں کو اور اکٹھا

کر لیتے ہیں۔ یہی بائبل میں حضرت عیسےٰ نے کہا ہے۔

"تم جسے نہیں جانتے، اُس کا بھجن کرتے ہو۔" (یوحنا ۴: ۲۲)

سوامی جی مہاراج بھی اِسی طرح سمجھاتے ہیں۔

"پھوکٹ دھرم پکڑ کر جُوجھے ۔ بُوجھے نہ شبد جگت پارا
پانی متھے ہاتھ کچھ ناہیں ۔ کھیر متھن آس بھارا
جیوا بھاگ کہوں میں کیا کیا ۔ باہر بھرمے بھوجارا
انتر مکھ جو شبد کمائی ۔ تا میں من کو نہیں گارا"

جو مالک کی بھگتی کا اصلی طریقہ ہے، یعنی شبد کی کمائی، اُس کو ہم پکڑنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ ہمیشہ باہری رسم و رواج میں ہی پھنسے رہتے ہیں اور کرم کانڈ میں ہی اُلجھے رہتے ہیں۔ اِن چیزوں کو سوامی جی پھوکٹ دھرم کہہ کر سمجھاتے ہیں۔ ہم چھلکوں سے پیار کرتے ہیں۔ جو اُس میں گُودا ہے اُس کو گرہن نہیں کرتے۔ آپ مِثال دیتے ہیں کہ ساری عمر اگر ہم پانی کو رِڑکتے رہیں گے تو اُس میں سے کچھ نہیں نِکلے گا۔ لیکن اگر دُودھ کو متھیں گے، تو اُس میں سے مکھن حاصل کر سکتے ہیں۔ اِس لئے آپ سمجھاتے ہیں کہ اپنے من کو اندرو شبد سے مِلانا چاہئے۔ اُس کے ساتھ مِل کر ہی یہ پوِتر اور نِرمل ہو سکتا ہے۔ گورُو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

"شبد وِسارن تِناں ٹھور نہ ٹھاؤ ۔ بھرمی بھُولے جیوں سُنجے گھر کاؤں
ہلت پلت تِنی دووے گوائے دُکھے دُکھ وِہاد نیا"

جو شبد یا نام کی کھوج نہیں کرتے، اُن کو نہ تو اِس دُنیا میں کہیں ٹھکانہ ہے اور نہ ہی اگلی دُنیا میں کوئی ٹھکانہ بنتا ہے۔ جس طرح خالی گھر کے اندر ایک کوّا تمام دِن کُودتا پھرتا ہے۔ لیکن اُس کو کھانے کے لِئے کچھ نہیں مِلتا۔ اِسی طرح ہم اِس چوراسی کے جیل خانہ میں اُچھلتے پھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں نے اپنا دِین اور دُنیا دونوں خراب کر لیں۔ حضرتِ عیسےٰ بھی شبد یا نام کی عظمت کے بارے میں کہتے ہیں کہ جو لوگ اُس سے مُکھ موڑ لیتے ہیں اور اُس کی نِندیا کرتے ہیں، اُن کا گُناہ نہ اِس دُنیا میں معاف ہو سکتا ہے نہ اگلی دُنیا میں۔

"جو کوئی پوِتر آتما کے وِرودھ میں کچھ کہے گا اُس کا اپرادھ نہ تو
اِس لوک میں اور نہ پرلوک میں کشما کیا جائے گا۔" (متی ۱۲: ۳۲)

رِدّھی سِدّھی، جپ تپ، پُوجا پاٹھ، پُن دان سب کا جو بھی پھل ہے، وُہ سب شبد یا نام کی کمائی کے اندر آ جاتا ہے۔ جیسے کہ کہاوت ہے کہ "ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں"۔ جس وقت ہماری زبان پر دِن رات اُس پرماتما کا نام چڑھا ہُوا ہے، یعنی اُس مالک کے نام کے سِمرن

میں لگے ہُوئے ہیں، تو اِس سے بڑا جپ اور کونسا ہوتا ہے۔ جس وقت ہم اپنے آپ کو اُس مالِک کے حوالے کِئے بیٹھے ہیں اور اُس کی رضا کے اندر رہ رہے ہیں تو اِس سے بڑا اور تپ کیا ہو سکتا ہے۔ جس وقت اندر سے ہم دِن رات اُس شبد کی بانی کو سُن رہے ہیں تو اِس سے بڑا اور پاٹھ کیا کر سکتے ہیں۔ جس وقت گورمکھوں کے سرُوپ کو دِن رات اپنے ساتھ ساتھ پیار میں لِئے پھرتے ہیں تو اِس سے بڑی اور پُوجا کیا ہو سکتی ہے۔ جس وقت اُس نام رُوپی امرت کو پی کر من دُنیا سے اُداس اور اُچاٹ ہو جاتا ہے تو اِس سے بڑا اور وَیراگ کیا ہو سکتا ہے۔ نہ گھر بار چھوڑنے کی ضرورت ہے، نہ بال بچّوں کو تیاگنے کی ضرورت ہے۔ بلکہ اپنے اندر ہی گورمکھوں کے ذریعہ شبد یا نام کی لذّت حاصل کرنی ہے کیونکہ نام کی کمائی کر کے ہم جنم جنمانتروں کے دیہہ کے بندھنوں سے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔ اور واپس جا کر پرماتما سے مِل جاتے ہیں۔ اِس واسطے مہاتما سمجھاتے ہیں کہ اُس نام کی بخشش کو اپنے اندر ہی ہضم کرنا چاہیئے۔ کوڑیوں کی طرح کھڑکانا نہیں چاہیئے۔ ہم نے نام کی کمائی لوگوں کی مان بڑائی حاصِل کرنے کے لئے نہیں کرنی۔ نام کی کمائی ہمیں مالک کی بخشش حاصل کرنے کے لئے کرنی ہے۔ مالک کے حِصّہ دار بننے کے لئے نہیں کرنی ہے۔ جتنا بھی ہم اُس مالِک کی بخشش کو اپنے اندر ہضم کریں گے، اُتنی ہی وُہ مالِک ہمارے اُوپر اور بخشش اور مِہر کرے گا۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں۔

"نام رتن دھن پائے کر کبیرا گانٹھ نہ کھول
نہیں پٹن نہیں پارکھی نہیں گاہک نہیں مول"

اُس نام رُوپی دولت کو حاصِل کر کے اِتنا اُس کو اپنے اندر دبا کر رکھو، کہ اُس کی خُوشبُو تک باہر نہ جائے۔ کیونکہ نہ تو دُنیا میں کوئی اُس کا ادھکاری ہے، نہ کِسی کو کھوٹے اور کھرے کی پہچان ہے اور نہ ہی اُس کا کوئی خریدار ہے۔ لوگ تو (بیٹے بیٹیوں کے گاہک ہیں، دھن دولت کے خواہشمند ہیں) اور نہ ہی کوئی اُس کی قیمت دینے کو تیار ہے۔ اُس کی قیمت کیا دینی ہوتی ہے؟ اپنے آپ کو ہی مالِک کے حوالے کرنا۔ کہ جس بھی حالت میں وُہ مالک رکھے اُسی حالت میں رہتے ہوئے نام کی کمائی کرنا ہے۔ کبیر صاحب پھر سمجھاتے ہیں۔

"سبھی رسائن ہم کری نہیں نام سم کوئے
رنچک گھٹ میں سنچرے کنچن سب تن ہوئے"

ہم نے سب دُنیا کی رسائنوں کو دیکھ لیا، مگر نام کے برابر کوئی رسائن نہیں۔ اُس کی ایک رتّی بھی اگر شریر میں پرگٹ ہو جائے، تو ہمارا شریر سونا ہو جاتا ہے۔ یعنی اِس شریر میں آنے کا مقصد پُورا ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح گورُو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

"پار کھیا و تھ سمال لئی۔ گورُ سوجھی ہوئی
نام پدار تھ اَتل سا۔ گورُ مکھ پادے کوئی"

جن کو اِس چیز کی پرکھ اور قدر ہے۔ وہ اِس کو بہت سنبھال کر رکھتے ہیں۔ اور یہ قدر بھی گورُمکھوں کی صحبت اور سنگت میں جاکر آتی ہے۔ اگر ہم کو کوئی قیمتی ہیرا مل جاتا ہے تو ہم اُس کو کس طرح سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں۔ روئی کے اندر لپیٹ کر مضبوط پیٹیوں میں رکھتے ہیں۔ اُس کی چابی کو ہمیشہ چھاتی سے لگائے رکھتے ہیں۔ اپنے بیوی بچوں تک کو پتہ نہیں دیتے کہ وہ کہیں اُس کو گم نہ کر دیں۔ یہ ایک معمولی دُنیا کی چیز ہے، جس کی قیمت لگائی جا سکتی ہے۔ لیکن جس نام کی کوئی قیمت ہی نہیں لگائی جا سکتی، جس کو مہاتما اَمولیہ اور اَمولک کہتے ہیں، جسکو پا کر ہم خود مالک ہی بن جاتے ہیں، اُس کو پاکر ہمیں اُس کی کتنی سنبھال کرنی چاہیئے، اُس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ بائبل میں کہتے ہیں۔

"پوِتر وستو کتوں کو نہ دو اور اپنے موتی سوّروں کے سامنے مت
ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اُنہیں پاؤں تلے روند دیں اور پلٹ کر تم کو
پھاڑ ڈالیں۔" (متی ۷ : ۶)

یعنی اُس دولت کا گاہک دُنیا میں عام نہیں۔ اُس بیش قیمت موتی کو کتوں اور سوّروں کے آگے مت ڈالو۔ وہ اُس کی قدر نہیں جان سکتے۔

سوامی جی مہاراج فرماتے ہیں۔

"پریت پرتیت گورُو کی کرنا ــ نام رسائن گھٹ میں جرنا"

جس طرح رسائن ہمارے جسم کے اندر جاکر رچ جاتی ہے اور سب جسم کی بیماریاں دُور کر دیتی ہے اِسی طرح ہم نے اپنے اندر نام کو رچانا ہے اور ہضم کرنا ہے۔ ہم نے نام کی کمائی ہمیشہ مالک کے گاہک بن کر کرنی ہے۔ بال بچوں کا پیار حاصل کرنے کے لئے نہیں کرنی ہے، نہ ہی کوئی دُنیا کی حکومت کرنے کے لئے کرنی ہے۔ جتنا مالک کا سچا عشق اور پیار لے کر ہم اُس مالک کو چاہیں، اُتنا ہی وہ پرماتما ہمارے اُوپر اپنی دَیا اور مہر کی بخشش کرتا ہے جس طرح پپیہا سوانتی کی بوند کے لئے تڑپتا ہے، دِن رات اُسی کی ہی رٹ لگائے رہتا ہے، اِسی طرح ہمارے اندر مالک سے ملنے کی دَرشن کرنے کی تڑپ ہونی چاہیئے۔ ہم نے اِس خیال کو لے کر مالک کی بھگتی نہیں کرنی کہ اگر ایسا نہیں کریں گے تو ہمارے کاروبار میں گھاٹا پڑ جائے گا یا دھن دولت کے اندر کمی آجائے گی یا دُنیا میں عزت اور مان کھو بیٹھیں گے یا اور کوئی اِسی قسم کا دُنیاوی نقصان ہو جاوے گا۔ یہ مالک کی بھگتی کرنے کا ایک بہت ادنیٰ طریقہ ہے۔ ہم مالک کی بھگتی اِس لئے کرتے ہیں کہ ہمارے اندر اُس

سے ملنے کا سچا عشق اور سچا پیار ہے۔ دُنیاوی مفاد کے لئے اُس مالک کی بھگتی کرنا ایسا ہی ہے، جیسے کہ اکثر لوگ سانپ کی پُوجا کرتے ہیں۔ وہ سانپ کی بھگتی اِس واسطے نہیں کرتے کہ اُن کو سانپ سے پیار ہوتا ہے۔ وہ تو سانپ کے ڈنگ اور زہر سے بچنے کے لئے سانپ کی بھگتی کرتے ہیں۔ دراصل مذہب کی بُنیاد پریم ہے نہ کہ ڈر۔ اِس واسطے اپنے اندر مالک کا سچا عشق اور سچا پیار پیدا کرنا ہے۔

دُنیاوی خواہشات

تُلسی صاحب اُپدیش کرتے ہیں

"دِل کا حجرہ صاف کر جاناں کے آنے کیلئے
دھیان غیروں کا اُٹھا اُس کے بِٹھانے کیلئے"

دِل تو ہمارا دُنیا کے پدارتھوں اور شکلوں کے واسطے بھٹکتا ہے، مِلنا ہم مالک کو چاہتے ہیں۔ یہ دو دو باتیں کیسے ہو سکتی ہیں۔ من تو ایک ہی ہے۔ اُس کو خواہ دُنیا کے پیار میں لگا لو یا اُس سے مالک کی بھگتی کرا لو۔ اگر دُنیا میں ہمارا کوئی معمولی سا رشتہ دار یا پیارا ہم سے کہیں دُور چلا جاتا ہے، ہم سے بچھڑ جاتا ہے تو ہم اُس کی یاد میں کس طرح تڑپتے ہیں۔ ساری ساری رات نہیں سوتے۔ ہماری آنکھوں سے آنسو ٹپکتے رہتے ہیں۔ ہم نے کبھی مالک کے وِچھوڑے میں ایک رات بھی جاگ کر کاٹی ہے یا ہماری آنکھوں کے اندر اُس مالک کی یاد میں کبھی ایک آنسو بھی آیا ہے؟ ہم اپنے بچے کو باہر کھیلنے کے واسطے آیا کے ساتھ بھیج دیتے ہیں۔ وہ آیا اُس بچے کا ہر قسم کے طریقوں سے دل لگانے کی کوشش کرتی ہے۔ کبھی اُس کو میٹھی میٹھی کہانیاں سُنائیگی، کبھی مٹھائی سے دِل بہلائیگی۔ لیکن پھر بھی اگر بچہ ماتا پتا کے واسطے رونا شروع کر دیتا ہے اور آیا کے کبھی کھلونے سے اپنے من کو نہیں بہلاتا، تو پھر ماتا پتا بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ فوراً جاکر بچے کو چھاتی سے لگا لیتے ہیں۔ اِسی طرح جب تک ہم اُس مالک کی رچنا کے ساتھ ہی موہ اور پیار ڈالے بیٹھے ہیں۔ اپنے اپنے من کو یہاں لگائے بیٹھے ہیں، تو ہم اِس رچنا کا ہی حِصّہ بنے بیٹھے ہیں۔ جب اِس رچنا سے اپنے من کو نکال کر مالک کے سچے پیار میں لگا دیتے ہیں تو مالک بھی ہمارے اُوپر بخشش کر کے ہمیں اپنے ساتھ ہی مِلا لیتا ہے۔ گورُو امرداس صاحب فرماتے ہیں۔

"ہر کا گاہک ہووے سو لئے پائے رتن وِچارا"

جو مالک کے گاہک یا پیارے بن کر اُسکی بھگتی کرتے ہیں، وہ مالک سے مالک کو ہی پا لیتے ہیں اِس واسطے ہم نے دُنیا کی خواہش اور ترشنا چھوڑ کر مالک کی بھگتی کرنی ہے۔ پلٹو صاحب سمجھاتے

ہیں۔

''نام نام سب کہت ہیں نام نہ پائیا کوئے
نام نہ پائیا کوئے نام کی گت ہے نیاری
وہی شخص کو ملے جنھوں نے آسا ماری''

نام رُوپی دولت یا دھن پانا اِتنا آسان نہیں جتنا کہ لوگ خیال کرتے ہیں۔ وہی شخص حاصل کر سکتے ہیں، جو اپنے اندر سے خواہشیں اور ترشنا نکال دیتے ہیں۔ پھر تُلسی صاحب سمجھاتے ہیں۔

''ایک دِل لاکھوں تمنا اُس پہ اور زیادہ ہوس
پھر ٹھکانہ ہے کہاں اُس کے ٹھکانے کے لئے''

یعنی ایک ہمارا من ہے، ہزار ہا، لاکھوں خواہشیں دِن رات ہم کرتے رہتے ہیں۔ پچھلی خواہشیں و ترِشنا پُوری نہیں ہوتیں، من اور پیدا کرنی شروع کر دیتا ہے۔ جو خواہشیں ہماری مرضی کے مُطابِق پُوری نہیں ہوتیں، وُہ ہمارے لئے دُکھ کا کارن بن جاتی ہیں جب ہمارے من کی یہ حالت ہے تو پرماتما ہمارے اندر آکر کیسے ٹِک سکتا ہے۔ گورُو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

''دیندا دے لَیندے تھک پاہ ۔ جُگا جُگا نتر کھاہی کھاہ''

کہ پرماتما نے دیتے دیتے کبھی بھی نہیں تھکنا۔ ہم دُنیا کے جیو لیتے لیتے تھک جاتے ہیں۔ جو جو من خواہشیں کرتا ہے، اُن کو پُورا کرنے کے لئے پرماتما پھر جنم دے دیتا ہے۔ پھر ہم خواہشیں اور ترِشنا کرتے ہیں۔ مالِک پھر جنم دیدیتا ہے اور اُس جائے میں جنم دیتا ہے، جہاں جا کر اُس خواہش کو اچھی طرح پُورا کر سکتے ہیں۔ جِس وقت ہم اُن خواہشوں سے تنگ آکر پرماتما سے پرماتما کو مانگتے ہیں تو پھر پرماتما ہم کو اپنے ساتھ مِلا لیتا ہے۔ پھر سمجھاتے ہیں۔

''آساں پربت جیڈیاں موت تناواں ہیٹھ''

جو ہماری خواہشیں اور ترشنا ہیں، وُہ تو شاید ہمالیہ پربت سے بھی بڑی ہیں۔ اگر پرماتما ہزار دو ہزار سال کی بھی عمُر دیدے تو بھی شاید اُن کو کبھی پُورا نہ کر سکیں۔ لیکن موت ہمارے پیروں کے نیچے کھڑی ہے۔ پتہ نہیں، زِندگی کے چند سال مِلنے ہیں یا نہیں، موت کِس وقت آجانی ہے۔ سوامی جی مہاراج فرماتے ہیں:۔

''جیو سب لوبھ میں بھُولے ۔ کال سے کوئی نہیں بچنا
ترِشنا اگن جگ جارا ۔ پڑا سب جیو کو تپنا
نہیں کوئی راہ بچنے کی جلیں سب نرک کی اگنا
جلیں گے آگ میں بندن ۔ بھَور بھوگیں جنم مرنا
بھٹکتے وے پھریں کھانی ۔ نہیں کچھ ٹھیک اُن لگنا
کہوں کیا دُکھ وُہ بھوگیں ۔ کہن میں آ جئیں سکنا''

ہم سب دُنیا کے جیو لوبھ اور لالچ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور اپنی موت کو بھی بھُولے بیٹھے ہیں۔ اِس میں میری کے اندر آکر کئی قسم کے کرم کرتے ہیں، کئی قسم کی خواہشیں و ترِشنا پیدا کرتے ہیں۔ وُہ پُوری نہیں ہوتیں۔ ترشنا کی آگ میں جلتے ہیں اور لُوری کرتے اور پھر موت کے بعد نرکوں کی آگ میں جلنا پڑتا ہے۔ چوراسی کے جیل خانہ میں یہ خواہشیں پھر ہم کو کھینچ کر لے آتی ہیں۔ اور جو جو دُکھ اور مُصیبتیں اُن جاموں آکر ہم کو بھگتنی پڑتی ہیں، وُہ بیان ہی نہیں کی جا سکتیں۔ اِس واسطے مہاتما ہم کو سمجھاتے ہیں کہ ہمیشہ مالک کی مَوج، مالک کے بھانے اور اُس کے حکم میں رہنا چاہیئے۔ مالک کے بھانے میں رہنے کا مطلب ہے کہ من میں کوئی خواہش اور ترِشنا نہیں اُٹھانی چاہیئے۔ جو کچھ پرماتما بخشتا ہے اُس کی اِچھا سمجھ کر قبوُل کر لینی چاہئے۔ سنت نام دیو جی کا کتھن ہے۔

''جو راج دیویں تے کون وڈائی ۔ جو بھیکھ منگا دیں تاں کیا گھٹ جائی''

گورُو ارجن صاحب فرماتے ہیں۔

''جے تخت بٹھالیں تو داس تمہارے ۔ گھاس بڈھاویں کیتک بولا''

اے پرماتما! اگر تو دُنیا کا راج پاٹ بھی مجھے دیدے گا تو مَیں نے پھر بھی تیری ہی مہما گانی ہے تیری ہی بھگتی کرنی ہے۔ اگر مجھے دَر دَر ٹھوکریں کھانی پڑیں گی تو پھر مَیں نے کونسا اپنے داتا کا دروازہ چھوڑ جانا ہے۔ جس طرح ایک سمُندری جہاز کے پرندے کو اُس سمُندری جہاز پر بیٹھنے کے علاوہ اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا، اِسی طرح ہماری آتما کو بھی پرماتما کے بغیر کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔

پھر غور کرنے والی بات یہ ہے کہ یہ خواہشیں اور ترِشنا کون پَیدا کرتا ہے؟ یہ سب ہمارا من پَیدا کرتا ہے اور ہم پُوری کِس سے کرانا چاہتے ہیں؟ پرماتما سے۔ ہم مَن کو کبھی سمجھانے کی کوشِش نہیں کرتے کہ تُو مالِک کی مرضی کے مُطابق اپنے آپ کو ڈھالنے کی کوشِش کر، اُ
...رموَج کے اندر رہ۔ اُلٹا دن رات پرماتما کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں
ے من کی مرضی کے مُطابق چلنے کی کوشش کر۔ بھلتی ہم پرماتما کی کر رہے ہیں یا من کی؟
...راج بھی یہی سمجھاتے ہیں۔

''گورُو کی مَوج رہو تُم دھار ۔ گورُو کی رضا سنبھالو یار

اور

چار لاکھ قسم کے جن، بھوت، پریت، دیوی، دیوتا، انسان، حیوان وغیرہ۔

ہم اپنے کرموں کے بموجب اس چوراسی کے جیل خانہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہماری آتما پرماتما کو مل کر ہی اس جیل خانہ سے نکل سکتی ہے اور پرماتما یہ انسان کا جامہ ہمیں صرف اس لئے بخشتا ہے کہ ہم مالک کی بھگتی کر کے دیہہ کے بندھنوں سے چھٹکارا حاصل کر سکیں۔ اگر کوئی فائدہ انسان کے جامے میں آنے کا ہے تو صرف یہی ہے کہ اس جامے کو یہ فخر ہے کہ اس میں بیٹھ کر ہم پرماتما سے ملاپ کر سکتے ہیں۔ گورو ارجن دیو جی سمجھاتے ہیں۔

"لکھ چوراسی جون سبائی ۔ مانس کو پربھ دیئی وڈیائی
اس پوڑی سے جو نر چوکے سو آئے جائے دکھ پائیندا"

پرماتما نے انسان کے جامے کو سب سے اونچا رکھا ہے۔ یہ اس سیڑھی کا آخری ڈنڈا ہے اگر کوشش کرتے ہیں تو مالک سے مل جاتے ہیں۔ اگر پاؤں پھسلتا ہے تو نیچے پھر چوراسی کے جیلخانہ میں آ جاتے ہیں۔ گورو ارجن دیو جی پھر سمجھاتے ہیں۔

"کئی جنم بھئے کیٹ پتنگا ۔ کئی جنم گج مین کرنگا
کئی جنم پنکھی سرپ ہویو ۔ کئی جنم ہیور برکھ جویو
مل جگدیش ملن کی بریا ۔ چر نگ کال ایہہ دیہہ سنجریا"

کئی جنم کیڑے اور پتنگوں کے پائے کئی جنم ہاتھی، مچھلی، اور ہرنوں کے پائے۔ کئی جنم پرندے اور سانپوں کے پائے۔ کئی جنم گھوڑوں اور درختوں کے پائے۔ اب یہ انسان کا جامہ پرماتما نے ایک بہت بڑے عرصے کے بعد اپنی بھگتی کے لئے بخشا ہے۔ ہم کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

"ہمچو سبزہ بار ہا روئیدہ ام ⁂ ہفت و صد ہفتاد قالب دیدہ ام"

ایک اور دفعہ لکھتے ہیں۔

"گاہے نخل در باغہا ⁂ گاہے ثمر بر شاخہا"

کہ کئی بار میں گھاس اور سبزہ کی طرح پیدا ہوا ہوں اور سینکڑوں قالب میں نے دیکھے ہیں۔ کبھی باغ میں درخت بنا ہوں۔ کبھی درختوں پر پھل بن کر لٹکا ہوں اور معشوقوں کے ہاتھ سے اُن کے مونہہ میں گیا ہوں۔

اس لئے رشیوں نے اس کو نر نارائنی دیہہ کہہ کر بیان کیا ہے اور مسلمان فقیر اس کو اشرف المخلوقات کہتے ہیں اور یہودیوں کا خیال ہے کہ پرماتما نے ہم کو اپنی شکل پر بنایا ہے

گورو جو کریں سو ہت کر جان ۔ گورو جو کہیں سو چت دھر مان"

گورو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"ہر ساچے بھاونے سا پوجا ہووے بھانا من وسائی"

گورمکھوں ہی کو مالک کی بھگتی اور پوجا کا ڈھنگ معلوم ہے۔ کیونکہ وہ بھانے کے اندر رہ کر ہی مالک کی بھگتی کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

"بھانے تے سب سکھ پاوے سنتو۔ انتے نام سکھائی"

کہ بھانے میں ہی سکھ اور شانتی ہے اور آخیر مالک ہماری سہائتا کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ بھی یہی کہتے ہیں۔

"میں اپنی اِچھا نہیں پرنتو اپنے بھیجنے والے کی اِچھا چاہتا ہوں"۔

(یوحنا ۵ : ۳)

آگے پھر کہتے ہیں۔

"پتر آپ سے کچھ نہیں کر سکتا کیوں وہ جو پتا کو کرتے دیکھتا ہے"۔

(یوحنا ۵ : ۱۹)

ایک اور مہاتما فرماتے ہیں:-

جس کو کچھو نہ چاہیئے وہی شہنشاہ"

کہ جس کو کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہے وہ ہمیشہ مالک کے حکم کے اندر ہی رہتا ہے۔ اُس سے بڑا شہنشاہ کون ہو سکتا ہے۔

مسلمانوں میں بھی دو قسم کے فقیر ہوتے ہیں۔ ایک اہلِ دعا اور دوسرے اہلِ رضا۔ اہلِ رضا کا رتبہ اہلِ دعا سے کہیں اونچا ہے۔ اس واسطے مالک کے بھانے میں رہ کر ہی ہم نے نام کی کمائی کرنی ہے۔

اِنسانی زِندگی کا مقصد :- پرماتما نے دُنیا کی رچنا کر کے اس کو چوراسی لاکھوں جونیوں میں تقسیم کیا ہوا ہے رشی منیوں نے اس چوراسی لاکھ قسم کا اس طرح حساب لگایا ہے۔

تیس لاکھ قسم کے درخت، پودے وغیرہ۔
ستائیس لاکھ قسم کے کیڑے مکوڑے وغیرہ۔
چودہ لاکھ قسم کے پرندے وغیرہ۔
نو لاکھ قسم کے پانی کے جیو وغیرہ۔

کبیر صاحب بھی یہی سمجھاتے ہیں۔

"کبیر مانس جنم دُرلبھ ہے۔ ہوئے نہ بارمبار
جیوں بن پھل پاکے بھوئیں گرے، بہوُر نہ لاگے ڈار"

کہ جس طرح پھل پک کر درخت سے نیچے گرتا ہے تو وہ پھر درخت سے واپس نہیں جُڑ سکتا۔ اِسی طرح ہم اِنسان کے جامہ کو اگر اب ضائع کر بیٹھیں گے تو پھر یہ موقعہ بار بار نہ ملیگا۔ سوامی جی مہاراج بھی یہی اُپدیش کرتے ہیں۔

"ملی نردیہہ یہ تُم کو۔ بناؤ کاج کچھ اپنا
پچو مت آئے اِس جگ میں۔ جانیو رَین کا سپنا
دیہہ اور گریہہ سب جھُوٹا۔ بھرم میں کاہے کو کھپنا"

کہ یہ اِنسان کا جامہ پرماتما نے ہمیں اپنا کام کرنے کو بخشا ہے۔ اپنا کام وہی ہے جو ہمیں واپس لے جاکر پرماتما سے ملاتا ہے اور وہ پرماتما کی بھگتی ہے۔ یہ دُنیا رات کے خواب کی طرح ہے۔ اِس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ اِس کو دیکھ کر بھُولنا نہیں چاہیئے۔ جو کچھ بھی ہماری جائیداد، دھن، دولت، رشتہ دار یہاں تک کہ ہمارا شریر بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دے گا۔ اِس واسطے آپ اُپدیش کرتے ہیں، کہ اِس قیمتی موقع سے فائدہ اُٹھاؤ۔ بال بچے، دُنیا کا کھانا پینا، عیش و عشرت ہم سب پچھلے جاموں میں بھی کرتے آئے ہیں۔ اگر کوئی ایسی چیز ہے جو پیچھے نہیں کر سکے اور کیول اب کر سکتے ہیں، وہ پرماتما کی بھگتی ہے لیکن جس مقصد اور غرض کے لئے پرماتما نے یہ موقع بخشا ہے، ہم اِس دیہہ میں بیٹھ کر اُس کو بالکل بھُول جاتے ہیں۔ وِشیوں، وِکاروں، شرابوں، کبابوں، قوموں، مذہبوں، مُلکوں کے جھگڑوں، اِندریوں کے بھوگوں سے ہمیں فرصت ہی نہیں ملتی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بس

"بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست"

کہ شاید یہ اِنسان کا جامہ پھر نہ ملے، اب خُوب عیش کرلیں۔ اور اِس سُنہری موقع کو مُفت ہاتھ سے کھو دیتے ہیں۔ یہاں تک اِندریوں کے بھوگوں میں پھنس جاتے ہیں کہ اپنی موت تک کو بھُول جاتے ہیں۔ روز دیکھتے ہیں کہ ہمارے ساتھی ہمارا ساتھ چھوڑے جا رہے ہیں۔ بلکہ اُن کو ہم شمشان بھُومی میں خُود چھوڑ کر آتے ہیں اور آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ کوئی چیز دُنیا کی اُن کے ساتھ نہیں جا رہی۔ لیکن ہم من میں ہمیشہ یہی خیال کرتے ہیں کہ موت شاید لوگوں کے واسطے ہے، ہمارے واسطے نہیں۔ گورُو نانک صاحب ہماری حالت یوں بیان کرتے ہیں۔

"دھندے دھاوت جگ باندھیا نہ بُوجھے وِچار
جنم مرن وِساریا مَن مکھ مُگدھ گنوار"

ہم دُنیا کے جیو ہمیشہ دِن رات پیٹ کے دھندوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور اُس مقصد کے بارے میں کبھی نہیں سوچتے، جس کے واسطے مالک نے ہمیں یہاں بھیجا ہے۔ ہمارے اپنے گھر میں آگ لگی ہوئی ہے اور ہم کو لوگوں کی آگ بجھانے کی فکر لگی ہوئی ہے۔ اپنا گھر لُوٹا جا رہا ہے، دُوسروں کے گھروں کی چوکیداری کر رہے ہیں۔ ہم اپنا بوجھ اُٹھا نہیں سکتے، پرائے گدھے بنے بیٹھے ہیں۔ اپنے آپ کو بھی دھوکا دے رہے ہیں اور دُنیا کو بھی دھوکا دے رہے ہیں۔ ہم کتنے منمکھ مُگدھ اور گنوار ہیں کہ اپنی موت اور پیدائش کو بھی بھُولے بیٹھے ہیں۔ سوامی جی مہاراج سمجھاتے ہیں۔

"کہوں کیا کال جگ مارا — جیو سب گھیر بھرمائی
نہیں کوئی موت سے ڈرتا — خوف جم کا نہیں لائی"

یہی کبیر صاحب سمجھاتے ہیں۔

"کیا لے کر جنم لیو ہے، کیا لے کر چلے جاؤ گے
مُٹھی باندھ کر جنم لیا ہے، ہاتھ پسارے جاؤ گے
یہ تن ہے کاغذ کی پُڑیا، بُوند پڑت گل جاؤ گے
کہت کبیر سُنو بھائی سادھو اِک نام بنا پچھتاؤ گے"

آپ سمجھاتے ہیں۔ کہ دُنیا میں ہم خالی ہاتھ ہی پیدا ہُوئے اور خالی ہاتھ ہی دُنیا سے چلے جائیں گے۔ نہ کوئی آج تک یہاں کوئی چیز ساتھ لے کر آیا ہے، نہ کوئی چیز اپنے ساتھ کبھی لے جا سکتا ہے۔ یہ ہمارا جو شریر ہے، یہ بھی ایک کاغذ کی پُڑیا کے سمان ہے۔ کاغذ کی پُڑیا پر ذرا پانی پڑے تو وہ گل جاتی ہے۔ اِسی طرح ہمارے اِس شریر نے بھی موت کے وقت یا تو اگنی کے یا مٹّی کے سپُرد ہو جانا ہے۔ اگر مالک کی بھگتی نہیں کریں گے تو آخر موت کے وقت پچھتانا پڑے گا اگر یہ دُنیا کی دھن دولت کسی کے ساتھ جاتی ہوتی، تو دُنیا کے لوگ اب تک اُس کو ساتھ لے گئے ہوتے، اور ہمارے حصے میں شاید کچھ بھی نہ آتا۔ یہ تو ہمیں اِس واسطے ملی ہے کہ اِس نے کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ بڑے حملے کئے اور بہت سا سونا چاندی ہیرے جواہرات، یہاں سے لُوٹ کر لے گیا۔ اُس کے حاصل کرنے کے لئے اُس نے کتنے غریبوں کا خُون کیا، کتنی عورتیں بیوائیں کیں، کتنے بچے یتیم کئے، جس وقت اُسکی موت کا وقت قریب آیا، تو اہلکاروں کو حکم دِیا کہ جو کچھ مَیں ہندوستان سے لُوٹ کر لایا ہُوں اُس کو خیمے میں لگا کر دکھاؤ۔ جس وقت اُس سب دولت کو نظر بھر دیکھا تو سرد آہ بھر کر آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور سوچا کہ جس دولت کو حاصل کرنے کے لئے اِتنا ظلم اور اتیاچار کیا، آج اُس میں سے میرے ساتھ کوئی بھی چیز نہیں جاتی۔ حکم دیا

کہ موت کے بعد میرے ہاتھ کفن سے باہر نکال دینا' تاکہ شاید کوئی اور انسان میری زندگی سے سبق حاصل کر سکے۔ جن چیزوں نے یہاں رہ جانا ہے' اُن کے ساتھ ہم کتنا پیار کرتے ہیں۔ اُن کے حاصل کرنے کے واسطے دن رات بھٹکتے پھرتے ہیں جو "پاپاں باجھوں ہوئے نہ آکٹھی۔ مویاں نال نہ چلے"، اُس پر جان دیتے ہیں اور جو چیز اصل میں ہماری اپنی ہے اور جسے ہمیں اپنی بنانا چاہیئے' اُس کے متعلق کبھی نہیں سوچتے۔ حضرت عیسٰے بھی بائبل میں یہی کہتے ہیں۔

"ناشوان بھوجن کے لئے پریشرم نہ کرو۔ پرنتو اُس بھوجن کے لئے جو
اننت جیون تک ٹھہرتا ہے جسے منشیہ کا پُتر تمہیں دے گا۔ کیونکہ پتا
ارتھات پرمیشور نے اُسی پر چھاپ کردی ہے۔" (یُوحنا ۶:۲۷)

یعنی دُنیا کی ناشمان دھن دولت اور پدارتھوں کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ اُس نام کی دولت کو حاصل کرو جو کبھی ناش نہیں ہوتی۔ جو دولت یعنی نام میں تم کو دونگا اُس پر میرے پتا نے مُہر لگائی ہوئی ہے اور وہ کبھی ناش نہیں ہوگی۔ کیونکہ اُس مالک نے اپنی مُہر مجھ پر لگادی ہے۔

سوامی جی مہاراج سمجھاتے ہیں۔

"بھٹک بھٹک نر دیہی پائی۔ اندری من مل یہاں مارا"

کہ بڑی مشکل سے ہمیں یہ انسان کا جامہ مِلا ہے لیکن یہاں اس جامے میں آکر من کے تابع ہوکر ہم اندریوں کے بھوگوں میں پھنسے بیٹھے ہیں۔ جتنا بھی ہمارا دُنیا سے تعلق ہے، یہ ہمارے شریر کے ذریعہ ہی ہے۔ جتنا عرصہ ہم شریر میں بیٹھے ہیں' ہم کو یہ یار دوست' رشتہ دار' بھائی بہن اور دُنیا کی دھن دولت' قوم' مُلک وغیرہ سب اپنے ہی نظر آتے ہیں یا کم از کم اُن کو ہم اپنا بنانے کی ضرور کوشش کرتے ہیں۔ جس وقت ہمارا شریر سے ساتھ چھوٹ جاتا ہے ہم ہر ایک چیز سے لاتعلق ہو جاتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ جب تک پرماتما نے اس شریر میں بیٹھنے کا موقع دیا ہے' اس شریر سے کام لے لیں۔ اس کے اندر بیٹھ کر نہ تو اُس کو اتنا دُکھ ہی دینا ہے کہ یہ مالک کی بھگتی ہی نہ کر سکے اور نہ اتنا سُکھ اور آرام میں ہی رکھنا ہے کہ عیش و عشرت کی طرف ہی ہمارا خیال چلا جاوے۔ اصلی کام یہی لینا ہے کہ اِس سے مالک کی بھگتی کرائیں۔ سوامی جی مہاراج سمجھاتے ہیں۔

"دھام اپنے چلو بھائی۔ پرائے دیش کیوں رہنا'
کام اپنا کرو جائی۔ پرائے کام نہیں پھنسنا
نام گورو کا سنبھالے چل' یہی ہے دام گٹھ بندھنا
جگت کا رنگ سب مَیلا۔ دُھلالے مان یہ کہنا"

یہ جو ہمارا شریر ہے' یہ کال کا پنجرہ ہے' کرائے کا مکان ہے' جتنے جتنے سانس مالک نے ہم کو

بخشے ہیں' ہم اُن کو بھگتنے کے بعد اس کو یہاں ہی چھوڑ جائیں گے۔ یہ شریر کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ بڑے بڑے راجے مہاراجے' بادشاہ' سُلطان' سیاستدان' ڈکٹیٹر' جن سے دُنیا تھر تھر کانپتی تھی' آج اُن کی قبروں کو ہم کس طرح حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اِسی طرح ہماری قبروں کو بھی لوگ اِسی نظر سے دیکھیں گے۔ لوگوں کی ہڈیاں ہمارے پاؤں کے نیچے آکر روندی جارہی ہیں۔ کسی دن ہماری ہڈیاں بھی دُوسروں کے پاؤں کے نیچے آکر روندی جائیں گی۔ لوگوں کی خاک اُڑ کر آج ہماری آنکھوں میں پڑتی ہے۔ اسی طرح سے کسی دن لوگوں کی آنکھوں میں ہماری خاک اُڑ کر پڑے گی۔ اس واسطے مہاتما ہم کو غفلت کی نیند سے بیدار کرتے ہیں کہ اُس وقت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو' جس وقت کسی بھی چیز نے تمہاری مدد نہیں کرنی۔ یہ بہن بھائی' رشتہ دار' یار دوست' سب ہمارے اِرد گرد ہی بیٹھے رہ جاتے ہیں اُن کو یہ بھی پتہ نہیں لگتا کہ موت کے فرشتے کس وقت اور کس راستے سے آکر ہم کو پکڑ کرلے جاتے ہیں۔ ہمارے رشتہ دار' یار دوست' سوائے اِسکے کہ رونے پر زور دے دیں اور کیا کر سکتے ہیں' اور وہ ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں۔؟ اُن سب کے ساتھ ہمارا لینے دینے کا رشتہ اور سمبندھ ہے' غرضوں کا پیار ہے۔ کوئی بیوی بن کے آگئی' کوئی پتی اور کوئی بال بچے بن کر آگئے۔ جتنا جتنا ہمارا حساب کتاب ہوتا ہے' جب پُورا ہو جاتا ہے' تو کبھی وہ ہم کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور کبھی ہم اُن کو چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ جس طرح ایک سٹیج پر ہر ایک اپنا اپنا پارٹ ادا کرتا ہے کوئی راجہ کا' کوئی رانی کا' کوئی کسی دُشٹ پاتر کا' اِسی طرح یہ دُنیا کی ایک بہت بڑی سٹیج ہے اور ہم سب دُنیا کے لوگ یہاں اپنے اپنے کرموں کے بموجب اپنا اپنا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ دراصل ہمارا کسی کے ساتھ کوئی رشتہ یا سمبندھ نہیں۔ جس طرح ڈرامہ ختم ہو جانے پر' سٹیج سے اُترنے کے بعد' نہ کوئی راجہ ہوتا ہے' نہ کوئی رانی اور نہ کوئی دُشٹ پاتر ہوتا ہے' اِسی طرح اِس دیہہ کو چھوڑنے کے بعد ہمارا تعلق بھی کسی سے نہیں رہتا۔ جس وقت کسی کو موت آتی ہے' اُس کے رشتہ دار رو رہے ہوتے ہیں۔ جس جگہ اُس نے جاکر جنم لینا ہوتا ہے' وہاں خوشیاں منائی جارہی ہوتی ہیں۔ اب جبکہ ہم اپنے پچھلے جنموں کے رشتہ داروں کو بالکل بھُولے بیٹھے ہیں' جن کے واسطے ہم اب بھٹکتے پھرتے ہیں' ترستے اور تڑپتے ہیں' اُن کو آگے کیا یاد رکھنے لگے ہیں۔

گورو نانک صاحب فرماتے ہیں۔

"مات پتا مایا دیہہ سر دگی۔ ردگی کرمٹ سنجوگی"

ماتا پتا نے بھی ہمارا ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ جو کچھ ہم دُنیا کے اندر دیکھتے ہیں' اس نے بھی

ہمارے ساتھ نہیں جانا۔ ہمارے رشتہ دار بھی روگی ہیں یعنی ناشوان ہیں۔ یہاں تک کہ جس شریر میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں، جس سے اِتنا پیار رکھتے ہیں، اور جس کے بناؤ سنگار میں ہم کیا کچھ نہیں کرتے یہ بھی یہیں رہ جاتا ہے۔ سوامی جی مہاراج سمجھاتے ہیں۔

”دھن دارا سُت نا تی کہتن یہ نہیں آدیں کام
سانس دو دھارا نت ہی جاری اِکدن خالی چام
مشک سمان جان یہ دیہی بہتی آٹھوں جام“

کسی رشتہ دار نے موت کے وقت کام نہیں آنا۔ جس طرح ایک تالاب کے اندر کتنا بھی پانی کیوں نہ بھرا ہو، ایک نل لگا کر کھول دو، سارا تالاب خالی ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح ہمارا یہ شریر سانسوں کا بھنڈار ہے۔ جتنا عرصہ ہمیں سانس آ رہے ہیں، ہم کس طرح اِس دُنیا میں ایک دُوسرے کے واسطے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں، دُنیا میں اپنے پیٹ اور لوگوں کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے۔ لیکن ہم اُس وقت کو بھول جاتے ہیں، جس وقت یہ سانسوں کا بھنڈار ختم ہو جائے گا۔ لوگ ہماری موت پر تار اور ٹیلیفون کر دیں گے۔ رشتے دار اِکٹھے ہو کر اِس شریر کو، جس سے ہم کو اِتنا پیار تھا، یا تو اگنی کے سپرد کر دیں گے یا مٹی میں دفنا دیں گے۔ ایک اور اچھی مثال دے کر سوامی جی مہاراج سمجھاتے ہیں۔ کہ جتنا عرصہ ایک چمڑے کی مشک میں ہوا بھری ہوتی ہے، وہ پانی کے اُوپر تیرتی نظر آتی ہے، ہم بھی اُس کا سہارا لے کر پانی پر تیرتے ہیں لیکن جب اُس مشک سے ہوا نِکل جاتی ہے، وہ پانی کی تہہ میں بیٹھ جاتی ہے اور جو اُس کا آسرا لیتا ہے، وہ بھی غوطے کھانے لگ جاتا ہے۔ اِسی طرح جتنا عرصہ ہمارے شریر کے اندر سانس آ رہے ہیں، ہم دُنیا کے کام کاج کرتے ہیں۔ لوگ بھی ہمارا آسرا لے کر اپنا وقت گزار رہے ہیں۔ لیکن جب اُس مشک یعنی شریر سے ہوا نِکل جاتی ہے تو جو اِس شریر کا آسرا لے کر وقت کاٹ رہے ہیں، وہ بھی رونا پیٹنا شروع کر دیتے ہیں اور گھبرا جاتے ہیں۔ مہاتماؤں کے سمجھانے کا صِرف اِتنا ہی مطلب ہے کہ اُس موت کے وقت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔ اور اُس سے پہلے پہلے اپنا رُوحانی سفر طے کر لو اور منزل مقصود پر پہنچ جاؤ۔ سوامی جی مہاراج سمجھاتے ہیں کہ

”کُٹمب پریوار مطلب کا۔ بنا دھن پاس نہیں آتی“

جو بھی ہمارے رشتہ دار، یار دوست ہیں، جن کے موہ اور پیار میں پھنس کر ہم مالک کو بھولے بیٹھے ہیں اِس شریر میں آنے کا مقصد اور مُدعا بھولے بیٹھے ہیں، یہ سب غرضوں کے رشتے ہیں۔ اگر ہمارے پاس دھن دولت نہیں رہتی تو ہم کو اپنے بھی چھوڑ جاتے ہیں۔

اِنکساری:- ہر ایک مہاتما ہم کو یہی اُپدیش کرتا ہے کہ اِس اِنسانی جامہ میں دیہہ کے اندر مالک کی کھوج کرو ہم دیہہ کے اندر مالک کو ڈھونڈنے کی بجائے اُلٹا اِس کے غرُور اور اہنکار میں پھنس جاتے ہیں۔ ذرا غور کر کے دیکھو کہ ہم اِس شریر میں بیٹھ کر کِس چیز کا غرُور اور اہنکار کرتے ہیں۔ کیا جوانی کا مان کرتے ہیں؟ ہم نے کِسی کا بڑھاپا نہیں دیکھا۔ کیا ہم نے بڑھاپے کی عمر میں نہیں پہنچنا؟ صحت کا غرُور کرتے ہیں؟ کیا کبھی بیماروں کی حالت ہسپتالوں کے اندر نہیں دیکھی۔ رُوپیہ پیسہ کا غرُور کرتے ہیں؟ کیا بڑے بڑے راجے مہاراجے، سیٹھ ساہوکاروں کو کنگالوں کی طرح سڑکوں پر بھٹکتے نہیں دیکھا یا سُنا؟ کیا ہم دُنیا کی حکومت یا عزّت وحشمت کا اہنکار کرتے ہیں؟ بڑے بڑے لیڈروں اور ڈکٹیٹروں کو پھانسی کے تختوں پر چڑھتے نہیں سُنا یا گولیوں کا شِکار بنتے نہیں دیکھا۔ راتوں رات اچانک حکومت کے تختے پلٹ جاتے ہیں۔ دُوسری پارٹی اُن کو اُٹھا کر جیل خانوں میں ڈال دیتی ہے یا توپوں کا شِکار بنا دیتی ہے۔ پھر ہم غرُور اور اہنکار کِس بات کا کرتے ہیں؟ کبیر صاحب سمجھاتے ہیں۔

”لکڑی کہے لوہار کو تُو کیا جارے موہے
اِک دِن ایسا ہوئیگا میں جاروں گی توہے
ماٹی کہے کمہار سے کیا رُوندے تو موہے
اِک دِن ایسا آئے گا میں رُوندوں گی توہے“

لوہار لکڑی کو جلا جلا کر اُس کے کوئلے بناتا ہے۔ لیکن لکڑی اُس کو کہتی ہے کہ کبھی اُس وقت کو بھی اپنی آنکھوں کے آگے رکھ کے سوچ، جس دِن مَیں نے تجھ کو ساتھ لے کر تیرے بھی اِسی طرح کوئلے بنا لینے ہیں۔ کمہار مٹی کو گوندھ گوندھ کر برتن بناتا ہے۔ لیکن مٹی اُس کو کہتی ہے کہ ایک دِن مَیں نے بھی تجھ کو ساتھ لے کر اِسی طرح گوندھ لینا ہے۔ سوامی جی مہاراج بھی یہی فرماتے ہیں۔

”من رے کیوں گمان اب کرنا ـ تن تو تیرا خاک ملیگا چوراسی جا پڑنا“

مہاتما اِس لئے ہم کو اُپدیش کرتے ہیں کہ من میں ہمیشہ نمرتا عاجزی اور انکساری رکھنی چاہیئے جتنی نمرتا اور عاجزی ہمارے اندر ہو گی، اُتنا ہی ہمارا خیال مالک کی بھگتی کے اندر جائے گا اور ہمیں مالک کی بخشش مِلے گی۔ بائیبل میں بھی اِس نمرتا اور عاجزی کے بارے میں لکھا ہے۔

”دھنیہ ہیں وہ جو من کے دِین ہیں، کیونکہ سورگ کا راجیہ

"اُنہیں کا ہے۔" (متی ۵: ۳)

اور

"دھنیہ ہیں وہ جو نمر ہیں، کیوں کہ وہی پرتھوی کے
ادھیکاری ہوں گے۔" (متی ۵: ۵)

پھر لکھا ہے۔

"جو کوئی اپنے آپ کو اس بالک کے سمان چھوٹا کرے گا، وہ
سورگ کے راجیہ میں بڑا ہوگا۔" (متی ۱۸: ۴)

"میں تم سے سچ کہتا ہوں، یدی تم نہ پھرو اور بالکوں کے
سمان نہ بنو تو سورگ کے راجیہ میں پرویش کرنے نہیں
پاؤ گے۔" (متی ۱۸: ۳)

سوامی جی مہاراج بھی یہی سمجھاتے ہیں۔

"دین غریبی چت میں دھرنا۔ کام کرودھ سے بچنا"

اسی طرح گورو نانک صاحب پرارتھنا کرتے ہیں۔

"کہو نانک ہم نیچ کرما۔ شرن پڑے کی راکھو شرما"

اس چوٹی کے مہاتما ہو کر اپنے متعلق کتنی عاجزی اور انکساری کے لفظ استعمال کرتے ہیں۔ گورو نانک صاحب اپنی بانی میں کئی جگہ اپنے آپ کو لالہ گولا، داسوں کا داس، نیچ کرما کہہ کر بیان کرتے ہیں۔ ہم کو مہاتماؤں کی زندگی سے سبق لینا چاہیے کہ وہ دھرم دھام پہنچ کر کُل مالک بن کر بھی دم نہیں مارتے۔ ہمارے ہاتھ کوئی سادھارن سی بھی طاقت یا حکومت آجائے تو ہم انسان کو انسان ہی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کبیر صاحب سمجھاتے ہیں۔

"برا جو دیکھن میں چلا برا نہ ملیا کوئے
جب من کھوجا آپنا مجھ سا برا نہ ہوئے
کبیر سب سے ہم برے ہم تج بھلو سب کوئے
جن ایسا کر بوجھیا میت ہمارا سوئے"

مہاتماؤں کا ہم کو سمجھانے کا صرف یہی مطلب ہے کہ غرور وا ہنکار کسی چیز کا نہیں کرنا چاہیے۔ انسان کے جامے میں بیٹھ کر من میں نمرتا، عاجزی اور انکساری رکھو، اور نام کی کمائی کرو کیونکہ نام کی کمائی نے ہی ہمارا ساتھ دینا ہے۔ اور تب ہی ہمارا دیہہ میں آنے کا مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ داؤد صاحب سمجھاتے ہیں۔

"کیا ٹنکھ لے ہنس بولئے داؤد دیجے روئے۔ جنم امولک آپنا چلے اکارتھ کھوئے"

یہی مہاتما چرنداس اپنی بانی میں لکھتے ہیں۔

"ہاتھی گھوڑے دھن گھنا۔ چندر مکھی بہو نار
نام بنا جم لوک میں پاوت دُکھ اپار"

یہی گورو نانک صاحب لکھتے ہیں۔

"بن نامے کو سنگ نہ ساتھی، مکتے نام دھیاونیا"

پرماتما کی کرپا۔

جب ہمارے اندر نمرتا اور عاجزی آئے گی، ہمارا خیال مالک کی بھگتی اور پیار کی طرف جائے گا۔ یہ گورمکھوں کی صحبت کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے۔ مگر ایسے گورمکھوں کی سنگت اور صحبت مالک کی بخشش سے ہی ملتی ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مالک بخشش کرے، تب ہی ہمارا خیال اُسکی بھگتی اور پیار کی طرف جاتا ہے۔ گورو امرداس جی فرماتے ہیں۔

"ہر ساچے بھاوے سا پڑو جا ہووے۔ بھانا من وسائی"

یعنی اُس مالک کو منظور ہوگا، تب ہی ہم مالک کی بھگتی کر سکتے ہیں۔ ہم اس دنیا کے جیو اندھے ہیں۔ اندھے کی طاقت ہی نہیں کہ آنکھوں والے کو پکڑ سکے، جب تک آنکھوں والا اندھے کو آواز دے کر اپنے نزدیک نہیں بلاتا، یا اپنی انگلی پکڑا کر اُس کو اپنے پیچھے نہیں لگاتا۔ ہم دنیا کے جیو اس مایا کے جال میں پھنس کر، مالک کو بھول کر، بالکل اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں۔ مالک ہی بخشش کرے تو ہمارا خیال اُس کی بھگتی کی طرف جا سکتا ہے۔

گورو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

"جیون مرنا سب تدھ تائیں۔ جس بخشیں تس دیں وڈیائی"

اسی طرح کبیر صاحب فرماتے ہیں۔

"صاحب سے سب ہوت ہے بندے سے کچھ ناہیں
رائی سے پربت کرے پربت رائی ماہیں
نہ کچھ کیا نہ کر سکے نہیں کرنے لوگ شریر
جو کچھ کیا سو ہری کیا بھئے کبیر کبیر
نہ کچھ کیا نہ کر سکے نہیں کچھ کرنے جوگ
جو کچھ کیا سو ہری کیا دوجا کہاپے لوگ
جو کچھ کیا سو تم کیا میں کچھ کیا ناہیں
کیسے آکھوں میں کیا تم ہی تھے مجھ ماہیں"

اِسی طرح حضرت عیسیٰ بھی بائیبل میں کہتے ہیں۔

"اِسی لئے مَیں نے تُم سے کہا تھا کہ جب تک کسی کو پِتا کی اور سے
یہ وردان نہ دِیا جائے تب تک وُہ میرے پاس نہیں آسکتا۔"

(یُوحنا ۶: ۶۵)

"کوئی میرے پاس نہیں آسکتا جب تک کہ پِتا جس نے مُجھے بھیجا
ہے اُسے کھینچ نہ لے۔" (یُوحنا ۶: ۴۴)

یعنی جیو کی کوئی طاقت نہیں کہ وُہ مالک کی طرف آوے، جب تک مالک ہی اُس پر بخشش نہ کرے۔

پانچویں پاتشاہی گورو ارجن دیوجی "بارہ ماہا" شروع کرنے سے پہلے لکھتے ہیں۔

"کِرت کرم کے وِچھڑے کر کرِپا میلو رام"

اے پرماتما! ہم اپنے کرموں کے کارن تیرے سے بچھڑے ہوئے پھر رہے ہیں۔ ہمارے اپنے اختیار میں نہیں کہ تجھ تک پہنچ سکیں۔ تُو ہی ہمارے اُوپر دَیا مہر اور بخشش کرے تو ہم تجھ تک پہنچ سکتے ہیں۔

آگے آپ فرماتے ہیں۔

"آپن لیا جے ملے وِچھڑ کیوں رووَن
سادھو سنگ پراپتے نانک رنگ مانن"

اے پرماتما! اگر ہمارے اپنے اختیار ہو کہ تجھ تک پہنچ سکیں، تو کس کا دِل کرتا ہے کہ تجھ سے بچھڑ کر ہم اِس چوراسی کے جیل خانہ میں بھٹکتے پھریں۔ ہمارے اختیار ہی نہیں، کہ ہم اپنے آپ تجھ تک پہنچ سکیں۔

حضرت عیسیٰ بھی یہی کہتے ہیں کہ تُونے ہی میرے سپرد جو جیو کئے ہیں، میں اُن کے لئے دُعا کرتا ہوں نہ کہ تمام دُنیا کے لِئے۔

چُنانچہ مرقوم ہے۔

"مَیں اُن کے لئے بِنتی کرتا ہُوں، سنسار کے لِئے نہیں کرتا ہوں،
پرنتُو اُنہیں کے لئے جنہیں تُونے مُجھے دِیا۔" (یُوحنا ۱۷: ۹)

گورو نانک صاحب نے تو یہاں تک مالک کے بارے میں کہا ہے۔

"کھوٹے کھرے تُدھ آپ اُپائے ۔ تُدھ آپے پرکھے لوک سبائے
کھرے پرکھ خزانے پائے ۔ کھوٹے بھرم بھُلا دِنیا"

اے پرماتما! سب دُنیا کے جیو تُونے خُود پیدا کئے ہیں۔ کھوٹے بھی تُونے ہی پیدا کئے ہیں۔

اور کھرے بھی تُونے ہی پیدا کئے ہیں، اور تُو خُود ہی دونوں کو پرکھنے بیٹھ گیا ہے کہ کون کھرا اور کون کھوٹا ہے۔ جن کو تُو خُود اپنی پرکھ کے قابل بنا لیتا ہے۔ اُن کو تُو اپنے خزانے میں داخل کر لیتا ہے۔ باقی سب یہاں بھرموں میں پھنس کر بھُولے پھرتے ہیں۔

پرماتما جب بھی دَیا مہر کرتا ہے، سادھو، سنتوں، مہاتماؤں کے ذریعہ ہی کرتا ہے بلکہ خُود انسان کے جامہ میں بیٹھ کر، ہمارے اندر اپنے مِلنے کا شوق اور پیار پَیدا کر کے، ہم سے اپنی بھگتی کروا کر اپنے ساتھ مِلا لیتا ہے۔ تیسری پاتشاہی گورو امر داس جی لکھتے ہیں۔

"کرم ہووے ستگورو مِلائے ۔ سیوا سُرت شبد چِت لائے"

مالک نے بخشش کی تو ہمیں گورمکھوں کی صحبت اور سنگت پراپت ہُوئی۔ پھر ہمارے اُوپر مہاتما کی بخشش ہوئی، جنہوں نے ہماری سُرت کو شبد سے جوڑ دِیا، جس سُرت شبد کا ابھیاس کرکے دُنیا سے موہ نِکل جاتا ہے۔ اور مالک کا پیار پَیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ بھی بائیبل میں لکھتے ہیں کہ:۔

"تُم نے مُجھے نہیں چُنا پرنتو مَیں نے تُمہیں چُنا ہے اور تُمہیں
آدیش دِیا تاکہ تُم جاکر پھل لاؤ۔" (یُوحنا ۱۵: ۱۶)

یعنی جیو کے کچھ بس نہیں، جب تک اُس پر مالک اور گورو کی بخشش نہ ہو۔ پھر فرماتے ہیں۔

"جب تک مَنُشیہ کو سوَرگ سے نہ دِیا جاوے، تب تک وُہ کُچھ
نہیں پا سکتا۔" (یُوحنا ۳: ۲۷)

اِسی طرح گورو نانک صاحب سمجھاتے ہیں۔

"آپے کرتا کرے کرائے ۔ آپے سبد گورو من وسائے"

جو کُچھ کرتا ہے، پرماتما خُود کرتا ہے۔ جب ہم کو اپنے ساتھ مِلانا چاہتا ہے، گورمکھوں کے ذریعہ ہمارے خیال کو شبد سے جوڑ دیتا ہے۔ سنت مہاتما مالک کے بھیجے ہوئے ہی آتے ہیں اور جن جیووں پر مالک کی بخشش ہوتی ہے اُنہی جیووں کو اپنے ساتھ لیکر اُس مالک کے اندر سما جاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے بھی بائیبل میں اِسی کا ذکر کیا ہے۔

"مَیں اُن میں اور تُو مُجھ میں، کہ وُہ سِدھ ہو کر ایک ہو جائیں
اور جگت جانے کہ تُو ہی نے مُجھے بھیجا ہے۔ اور جیسا تُونے مُجھ
سے پریم رکھا ویسا ہی اُن سے پریم رکھا۔"

(یُوحنا ۱۷: ۲۳)

سنتوں کا سندیش :-

ہر ایک مہاتما کا صرف یہی اُپدیش ہے کہ پرماتما ایک ہے، ہماری آتما اُس پرماتما کی انش ہے۔ اُس کو مِل کر ہی ہم مَوت اور پیدائش کے دُکھوں سے بچ سکتے ہیں۔ اور وُہ پرماتما ہر ایک کے شریر کے اندر رہے۔ اور انسان کے جامہ میں بیٹھ کر ہی ہم اُس کی پراپتی کر سکتے ہیں اور ہمارے اندر ہمارے من کی روکاوٹ ہے، جس کی وجہ سے ہم اُس پرماتما کو اپنے اندر نہیں دیکھ سکتے۔ اور یہ من کی روکاوٹ شبد یا نام کی کمائی کے ذریعہ ہی ہمارے اندر سے دُور ہوتی ہے۔ اور وُہ نام یا شبد اور مالک کو مِلنے کا راستہ بھی اُس مالک نے ہمارے شریر کے اندر رکھا ہوا ہے۔ اور مہاتماؤں کی سنگت و صحبت سے ہی ہم اُس راستے کو اپنے اندر سے ڈھونڈ سکتے ہیں اور اُس شبد یا نام سے اپنا خیال جوڑ سکتے ہیں۔ اُسی شبد یا نام کو ہی حضرت عیسیٰ نے (WORD) شبد یا (LIVING WATER) جیوت جل کہہ کر بیان کیا ہے۔ وُہ کہتا ہے۔

"پرنتو جو کوئی اُس جل میں سے پئے گا، جو مَیں اُسے دُوں گا، وُہ پھر
اننت کال تک پیاسا نہ ہوگا۔ ورن جو جل مَیں اُسے دُوں گا، وُہ اُس
میں ایک سروت بن جائے گا جو اننت جیون کے لئے اُمڈتا رہے گا۔"
(یوحنا ۴ : ۱۴)

گورُو نانک صاحب اِسی کو امرت کہہ کر سمجھاتے ہیں اور مسلمان فقیر اُس کو آبِ کوثر، آبِ حیات کہہ کر بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ اُس کو حاصِل کر کے ہم ہمیشہ کے واسطے زِندہ ہو جاتے ہیں اور دیہہ کے بندھنوں سے بچ جاتے ہیں اور ایسے مہاتماؤں کی سنگت اور صحبت ہمیں ہمیشہ پرماتما کی دیا مہر اور بخشش سے ہی پراپت ہو سکتی ہے۔ کوئی بھی مہاتما دُنیا کے اندر مالک سے مِلنے کی کوئی نئی فلاسفی یا اصُول لے کر نہیں آتا۔ ہر ایک مہاتما اُسی فلاسفی اور اصُولوں کو سمجھاتا ہے۔ لیکن ہم اُن کے جانے کے بعد باہر مُکھی ہو جاتے ہیں، اصلیت کو بھُول جاتے ہیں۔ پھر کوئی اور مہاتما کسی اور جگہ آکر ہمیں اُسی اصلیت کی یاد دِلاتا ہے۔ اور ہمارے خیالات کو وہموں بھرموں سے نِکالتا ہے۔ یہ مالِک نے اپنے مِلنے کا قُدرتی قانون و طریقہ رکھا ہوا ہے۔ وُہ مہاتما اِس قُدرتی قانون کے متعلّق ہی یاد دہانی کراتے ہیں، اپنے پاس سے کوئی نئی تعلیم نہیں دیتے۔ حضرت عیسیٰ بھی بائبل میں کہتے ہیں۔

"کیونکہ مَیں نے اپنی اور سے باتیں نہیں کیں۔ پرنتو پِتا، جس نے
مجھے بھیجا ہے اُسی نے مجھے آگیا دی ہے کہ کیا کہوں۔" (یوحنا ۱۲ : ۴۹)
"میرا اُپدیش میرا نہیں، پرنتو میرے بھیجنے والے کا ہے۔" (یوحنا ۷ : ۱۶)

ہر ایک مہاتما اپنے ذاتی تجربے کی بِنا پر ہمیں سمجھاتا ہے۔ مہاتما گرنتھ پوتھیاں پڑھ کر سُنی سُنائی باتیں نہیں کرتے۔ وُہ تو جو آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جو کُچھ اُن کا اپنا تجربہ ہوتا ہے وُہی بیان کرتے ہیں۔ گورُو نانک صاحب فرماتے ہیں

"سنتن کی سُن ساچی ساکھی۔ سو بولیں جو پیکھیں آنکھی"

پھر سمجھاتے ہیں۔

"جیسی مَیں آوے کھسم کی بانی۔ تیسڑا کری گیان وے لالو"

مہاتما جو بھی گیان پرماتما سے لے کر آتے ہیں، وُہی ہم کو سمجھاتے ہیں۔ داؤد صاحب یہی لِکھتے ہیں۔

"داؤد دیکھا دِیدہ سب کوئی کہت شُنیدہ"

تُلسی صاحب جی فرماتے ہیں۔

"بچ نینا دیکھا ہیئے آنکھی ۔ جس جس تُلسی کہہ کہہ بھاکھی"

یعنی مَیں نے جو کُچھ آنکھوں سے دیکھا ہے، وُہی سمجھا رہا ہُوں۔ دُنیا کے لوگ تو سُنی سُنائی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ بھی یہی کہتے ہیں۔

"مَیں تجھ سے سچ کہتا ہُوں کہ ہم جو جانتے ہیں وُہ کہتے ہیں اور جسے ہم
نے دیکھا ہے، اُس کی گواہی دیتے ہیں۔" (یوحنا ۳ : ۱۱)